



-U 57387

9-12

Title - ~~DEEMAN~~ GHALIB.

Creator - Mirza Asadullah Khan Ghalib;  
Muscatils Agla Mehdi. Talis.

Publisher - Asad Book Dibo (Delhi).

Date — 1936.

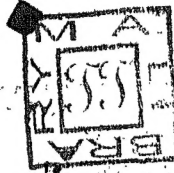
Pages - 147.

Subjects - Ghalib - Ghalib's  
Dars-e-Darb - Ghalib's.



مکتبہ اسلامیہ - ریسرچ سکول ممبئی - بھونیر

# دیوان غالب



نجم الدولہ دبیر الملک نواب مرزا اسد اللہ خان لہوی

کے

اُردو جواہر پاروں کا انتخاب

خود مرزا صاحب کے مصدقہ اور قلمی نسخہ کے مطاب

مکتبہ

آغا محمد طاہر ہیر حضرت آزاد مالک آزاد بکڑ پوکوچہ چیلان دہلی

۱۹۳۶ء بذریعہ بلاک شائع ہوا : قیمت ۸۰۰



*[Handwritten signature]*

7

ΣΙΜΛ



FEB 1970

265

CHECKED-2002

CHECKED-2002  
Presented to  
Hawthornthorpe  
Library  
24/7/67  
P. W. Martin Esq.  
Old Bury  
Chis. of W. U. A.

CHECKED-2002



یو چھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے  
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟



M.A. LIBRARY, A.M.U.



U51387

زیارت کدہ ہوں دل آزر دگاں کا !

لمحہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی



## مرزا نوشہ

ملھوئی ترک۔ دادا غمیدہ عالم میں وارہا نہرے ہی میں آئے نشان اور نقارے سے  
 اعزاز پایا۔ باپ علی بندہ بیک دل نواب صفی اللہ و شاہ اودہ کے اہل لازم ہے بھنظا کوکن کی تارا  
 اختیار کی وہ نوکری کیلنا جنگی میں گئی پھر لادیں اچھتا و سنگھ کے نام ہے اور میں کی لڑائی میں  
 مائے گئے حقیقی چچا نصر اللہ بیک مرہٹوں کی طرف سے کیرا باد میں رہا تھے۔ انہوں نے ہی مرزا کو پالا۔  
 سن ۱۸۵۷ میں مرہٹوں کی کاٹھل ہوا صوبہ اری کشتری ہوئی۔ انگریزوں نے بھی ہزار روپیہ تھوڑا چھوڑا  
 لاکھ روپیہ کی جاگیر دی۔ وہ بگڑا گیا مرنے لگے۔ مرزا اس وقت آٹھ برس کے تھے سب کچھ موقوف ہو گیا۔  
 نقد پیشینہ مقرر ہو گئی۔ اعزاز میں خلعت ہفت پارچہ۔ جفتہ سرپیچ۔ مالے مروارید ملارہ۔ بعد نقد بیک  
 صاحبیت بہادشاہ بند ہو گیا تین برس بعد بگڑا مرنے لگا۔

مرزا جوانی میں منہج و پیدہ سرودہ سیدہ کشادہ چہرہ کوکانہ۔ بلند پیشانی چمکیلی اور منور نکھیں اپنی  
 ناک بھرتے ہوئے سرخ رخسارے بیسے اندر۔ دانت موتیوں کی لڑیاں۔ دائرہ میٹھدی ہوئی سر پہلیے  
 بال رکھتے تھے۔ دیدار و لوگ دیکھتے تو سائش کرتے۔ بڑھاپے میں اڑھی رکھ لی۔ بال منڈوا دیے۔  
 آخر میں نور کا ڈھیرہ گئے تھے۔

بچپن اور لڑکپن اکبر آباد میں گزرا جوانی میں سبیلہ ناکھت دہلی چلے آئے پھر ساری عمر یہیں رہے۔  
 سبیلہ فیاض نے ذوق سلیم عطا کیا تھا۔ فارسی کے ساتھ مناسبت ازلی دوسری تھی۔ ذوق خدا داد اور

استاد نے کلام کو صد بار کر دیا پچاس سال تک سچون گزارا سے تین منطقی مسائل کو عجیبے و سارے دیکھا ہے  
فارسی میں اس کے تینے نوکر لائے ہیں۔ انہی سے اردو نظم میں بھی نظم لکھنے نہیں نہیں رہا ہے۔

ابتداء میں اردو نظم پر فارسی غالب تھی۔ استاد دوزخِ جنت مکان ہے جو بہادر شاہ کا اردو کلام کہنے لگا وہ  
چاہیے کہ اسی سے خود بھی بن گئے۔ فارسی کی طرح اردو کلام کا جو بیرونی ضخیم تھا احباب کے شوق سے انتخاب فکر  
شائع ہوا۔ وہی اب تک تیز ہے اور ہر شہر سے لگا۔

مذمت سے آرزو تھی کہ غالب اردو دیوان شائع کروں مگر اس کا سدھوا و قسبم کے عجب پاک بخوش  
قسمتی دیکھ کر کہ اپنے ہی گھر میں ایک سندھیل کی شکل ایسی سیر پانا، جناب حسین مرزا صاحب علی اللہ تعالیٰ و  
ناظر قاضی ذی علم صاحب بنی ق صاحب بن مرزا کے دوست بلکہ عاشق زار تھے۔ وہ انتخاب میں بھی شامل تھے  
انہوں نے منتخب کلام کا ایک صحیح نسخہ اپنے قلم سے لکھ کر مرزا کو دیا مرزا نے پڑھ کر متحلا و مہر سے عزیز کر کے بطور یادگار و پس  
کر دیا جواب بھی میری نہال میں مرزا کے تحت ہر سے تعلق کو زندہ کرتا ہے۔ میں نے دیوان ہی نسخہ نے بہت کیا پڑھ کر  
مرحہ دیوانوں میں بار بار جھپٹتے جھپٹتے بہت کچھ تبدیلان گئی ہیں اکثر اشعار چھوٹ گئے ہیں مگر بہت مکمل اور مستند نسخہ ہے۔

مجھے اس پر قلم بھی ناز ہو کہ میری نایاب محنت سے ایسی نایاب چیز زندہ ہوئی ہے جس کو کوئی  
اور ہلاکت زیادہ و نشان کر دیا ہے۔ اس شانِ شانِ مالائے مرورید کو دیکھ کر مرزا کی روح ضرور مسرور  
ہوگی اور مرزا کے پرستار اس کو قویٰ بن کر رکھیں گے۔

ناچیز

طاہرہ نسیم آزاد دہلوی

۱۳۵۵ھ



نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا کاندی ہے پیرین ہر پیکر تصویر کا  
 کاؤ کا دست جانی بائے تنہائی نہ پوچھ صبح کز ناشام کا لانا ہے جوئے شیر کا  
 جذبہ بے اخت یا رثوق دیکھا چاہے سینہ پیشہ سے باہر ہے دم شمشیر کا  
 آگئی دام شنیدن جس قد چاہے بچھائے متاع تھا ہے اپنے عالم تیر کا  
 بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پیا

موسے آتش دید ہے حلقہ مری زنجیر کا

جراحت تھو الماسل رنجان باغ جگر ہیر مبارکباد اسد غمخوار جان درد مند آیا  
 جز قیس اور کوئی نہ آیا برئے کار صحر مگر تبہ کی چشم خود تھا  
 آشفگی نے نقش سویدا کیا درت ظاہر ہو کہ داغ کا سرمایہ دو تھا  
 تھانواب میں خیال کو تجھ سے ملے جب کچھ کھل گئی تو زیا تھا نہ سود تھا  
 لیتا ہوں کتب غم دل میں سبق ہنر لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا  
 دھانپا کفن نے داغ عیوب بنگی میں ورنہ ہر لباس میں ننگ بوجھ تھا

تیشے بغیر مرنہ سکا کوہن اسد

سرگشتہ غمارِ رسومِ قیود و تقا

کہتے ہونہ دینگے ہم دل اگر بڑا پایا      دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے زندہ عاپایا  
عشق سے طبیعت نے زینت کا لڑ پایا      درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا  
دوستدار دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم      آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا  
سادگی و پرکاری پیچودی و ہنکاری      حُسن کو تغافل میں جرأت آنا پایا  
من غنچہ پیر کا کھیلنے آج ہم نے اپنا دل      خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا  
حالِ دل نہیں معلوم کہین اس قدر سنی      ہم نے بار بار دھونڈھا تنے باہا پایا  
شورِ پندِ باصحا نے زخم پر نہک چھڑکا      آپ سے کوئی پوچھے تنے کیا مزا پایا  
نہ دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا      آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا  
رہ دل میں فوقِ حیل و یاد یا تک باقی نہیں      آگ اس گھیر میں لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا  
میں م سے بھی پے ہوں ورنہ غافل بار با      میری آہِ آتشیں سے بالِ عقاب جل گیا  
عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کساں      کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرانِ جل گیا  
دل نہیں تجھ کو دکھا تا ورنہ داغوں کی بہار      اس چراغوں کا کروں کیا کافر جل گیا  
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غائب ل



دیکھ کر زرتپاک اہل دنیا جل گیا

شوق ہر رنگ سے قیبِ سر و سامان نکلا      قیس تصویر کے پردے میں بھی غریبان نکلا  
 زخم نے داد نہ دی تگی دل کی یارب      تیر بھی سینہ بسیل سے پُر افشان نکلا  
 بوسے گلِ نالہ دل دو چرخِ غمِ محفل      جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا  
 دلِ حسرت زدہ تھا مائدہ لذتِ درد      کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا  
 تھی نو آموزِ فنا بہت دشوار پسند      سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا  
 دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب

آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سوط و من نکلا

دھکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا      عشقِ نبردِ پیشہ طلب گارِ مرد تھا  
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا      اُڑنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا  
 تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں      مجموعہ خیال ابھی منہ و فرد تھا  
 دل تاجگر کے ساحلِ دریائے خونِ جواب      اس رنگدیزیں جلوہ گل آگے گرد تھا  
 جاتی ہے کوئی گٹھنشلِ نہ عشق کی      دل بھی اگر گریا تو وہی دل کا درد تھا  
 احباب چارہ سازی و حشت نہ کر سکے      زنداں میں بھی خیالِ بیاباں نور تھا  
 یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی جو

حقِ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا  
 شمارِ سجدہ مرغوبِ بختِ گلِ پند آیا  
 فیضِ بیدلیِ نو میدی جاوید آساں ہے  
 کشائش کو ہمارا عتہٴ مشکلِ پند آیا  
 ہواے سیرِ گلِ آئینہ بے مہری قاتل  
 کہ اندازِ بھونِ غلطیدنِ بلِ پند آیا

دہر میں نقشِ وفا و جبرستی نہ ہوا  
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہٴ معنی نہ ہوا  
 لبِ سبزہٴ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا  
 یہ زمرہ بھی حریفِ دمِ اسعی نہ ہوا  
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ فاسے چھوٹوں  
 وہ سنگِ مرے منے پہ بھی راضی ہوا  
 دلِ گزرگاہِ خیال سے دماغِ ہی سی  
 گرفتِ جاوہِ سترِ نزلِ تنوئی نہ ہوا  
 ہوں تھے عہدہ نہ کہنے میں بھی اُسی کبھی  
 گوشِ منت کشِ گلابِ گسلی نہ ہوا  
 کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے  
 ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سوہنجی ہوا  
 مر گیا صدہ یکتہٴ بختِ بے غالب

تا تو انی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

سائش گر ہے زبا میں جس باغِ رضوان کا  
 وہ اک گلہٴ تہ ہے ہم بخیرِ دوں کے طاقِ نیاں گل  
 بیاں کیا کیجے بیدار کاوشِ ہائے شاگ کا  
 کہ ہر کیسا قطرہٴ خونِ اندہ ہے بسجِ مرجب کا

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے مالوں کو<sup>۵</sup> لیا دانتوں میں جو بھکا ہوا ریشہ نیستاں کا  
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے میں اس دروغِ دل اک تخم ہے سرِ چراغان کا  
 کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ نے کرے جو پر تو خورشیدِ عالم شبِ بیتاں کا  
 مری تمیز میں ضمیر ہے اک صورتِ خرابی کی ہنرِ لالہ برقِ خرم کا ہے خونِ گرم دھتکار کا  
 اگا ہے گھر میں ہر سوز و دیرانی تماشا کر مہار آبِ کھونے پر گھاس کے ہی میسے نے زبان کا  
 خموشی میں نیا سخن گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں چراغِ مردہ ہوں میں زبان کو بغیرِ بیان کا  
 ہنوز اک پرتو نقشِ خیالِ یارِ باقی ہے دلِ افسردہ گویا تجھ سے ہی پُرسنے کے زنداں کا  
 بغل میں غیر کی آج آپ سنے ہیں کہیں نہ سبب کیا خواب میں اک تبسم ہائے پرتلاں کا  
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا قیامت ہے سرِ شکِ اودہ ہوتا میری شریں گال کا

نظریں ہے ہماری جادۂ راہ فنا خالِ لب

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجر کیسے پیشان کا

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا یاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا  
 ناکِ شکستہ صبح بہارِ نظار ہے یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا  
 تو اور سوئے غیرِ نظر ہائے تیز تیز نہیں اور دکھستری شہِ مائے دراز کا  
 صرف ہے ضیض آہ میں میرا اگر نہ میں طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا

ہیں بکیر خوش بادہ سے شیشے چھل رہے ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا  
کاوش کا دل کرے ہے تھا خاکہ ہے ہنوز ناخن پہ قرض اس گروہ نسیم باز کا

تاراج کاوش غم حیراں ہوا اسد  
سینہ کہ تھا دنیہ گہرا سے راز کا

نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی نے فدق کم میرا حباب موج رقا ہے نقش قدم میرا  
محبت تھی چین سے لیکن اب یہ بیدانی ہے

کہ موج بوئے گل سے ناک نیل تاج میرا

سراپا بہن عشق و ناگزیر الفت ہستی عبادت برق کی تراہوں اور انیسویں صہل کا  
بقدِ ظرف ہے ساقی غارتشہ کامی بھی

جو تو دریائے ہے تو میں خلیہ ہوں ساحل کا

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا رکھیو یارب یہ درِ نجیب نہ گوہر کھلا

شبِ ہوئی پھر انجمِ خشنود کا منظر کھلا اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا دکھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کوئی نہ تھا کاؤتق استیں میں نشہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ بھول سکی یا میری نہ پاؤں کا بھید پر یہ کیا کم ہے کہ بڑے وہ پری کچھ کھلا

ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا خیال جلد کا اک دیے میری گور کے اندر کھلا

سنہ نہ کھٹنے پر ہے وہ عالم کہ دکھائی نہیں  
 زلف سے بڑھ کر نقابِ شمع کے سنہ پر کھلا  
 در پہ رہنے کو کہا اور کیلے کیسا پھر گیا  
 جتنے عرصے میں مرا اپنا ہوا بس تر کھلا  
 کیوں نہ میری ہے شبِ غم ہے بالآخر کھلا  
 آج اوسری کو رہے گا دیدہ اختر کھلا  
 کیا نہوں غریب میں خوش صحبتِ حواش کا کیا  
 نامہ لا تا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اسکی انت میں میں میری کچیاں کا مہند

واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا  
 شعلہ ہوا کہ ہر ایک حلقہ گرداب تھا  
 داں کرم کو عذرا بارشس تھا غماں گیر خرام  
 گریہ سے یاں پڑے بالش کف سیلاب تھا  
 داں خود آرائی کو تھا موتی پرینے کا خیال  
 یاں ہجومِ اشک میں تا رنگہ نہایاب تھا  
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آسجود  
 یاں رواں مژگان چشم ترے سخن ناب تھا  
 یاں ہر پشور بخوابی سے تھا دیوار جو  
 داں وہ فرقِ ناز مجو با شمس کم خواب تھا  
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزمِ خودی  
 جلوہ گل داں بساطِ صحبت احباب تھا  
 فرش سے ماعرش اس طوفان تھا موج رنگ کا  
 یاں نہیں سے آسمان تک بوفتن کا باب تھا

ناگماں اس نگے خونِ نا پڑ پکانے لگا

دل کہ دوق کاوشِ ناخن لئے لفت یا تھا

نالہ دل میں شب انداز اثر لیا ب تھا <sup>۱</sup> تھا پسند بزم وصل غیر کو بیتاب تھا  
 مقدم سیلاب سے دل کی ناشائستگی ہے خانہ عاشق گمراہ صدا سے آب تھا  
 نازش ایام خاکستر شیشی کیا کہوں پہلو سے اندیشہ وقف بہتر بناب تھا  
 کچھ نہ کی اپنے جنون نارسانے ورنیاں ذرہ ذرہ رکش خوشید عالم تاب تھا  
 آج کیوں پروا نہیں اپنے ایڑنی تھے کل تلک تیرا ہی دامن وفا کا باب تھا  
 یاد کردہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا انتظار صید میں اک پدے جواب تھا  
 میں نے روک رات غالب کو گریہ دیکھتے

اُس کے یل گریں گروں کہت سیلا تھا

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب خون جب گرد و بعت مرگان یا تھا  
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو تو راجو تو نے آسینہ مثال وار تھا  
 گلیوں میں میری لاش کو کھینچے پھر کہ میں جاں داغ ہوا سے سربرہ گوار تھا  
 موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال ہر ذرہ مثل جوہر تیج آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب

دیکھا تو کم ہوئے یہ غم روزگار تھا

بلکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گر یہ چاہے ہے خرابی مے کاشانہ کی<sup>۹</sup> درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا  
 وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم محسوس کو آپ جانا اُدھر اوکھ ہی پریشاں ہونا  
 جلوہ از بکدہ تقاضائے نیکہ کرتا ہے جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے شہرِ گاہاں ہونا  
 عشرتِ قتل کہ اہل تمازت پوچھ عیدِ نِظان ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
 لے گئے خاک میں ہم داغِ تماشائے نشاط تو جو ادراپ بصد رنگ گستاں ہونا  
 عشرتِ پارہ دل زخمِ متا کھانا لذتِ ریش جو غرقِ نیکد ان ہونا  
 کی مے قتل کے بعد اُس نے بھائے تو ہائے اُس زودِ بیاں کا پیشیاں ہونا

حیف اُس چارگرہ پیرے کی قسمت غالب

جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شبِ ہمارِ شوق ساقیِ رستخیز اندازہ تھا تاجِ بٹ بادہ صورتِ حسنہ خمیازہ تھا  
 یک قدمِ وحشت نے رہنِ فترتِ امکاں کھلا جادہ اجڑنے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا  
 مانعِ وحشتِ خرابی ہائے لیلیٰ کون ہے خانہِ مجنون صحرِ گر دے دروازہ تھا  
 پوچھت رسوائیِ اندازِ استغنائے حسن دستِ مرمونِ خازنِ خسار رہنِ غمازہ تھا

نالہ دل نے دیے اور ارقِ سختِ دلِ بباد

یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

دوست غمخواری میں میری ہی فرمائیں گے کیا  
 بے نیازی حد سے گزری بند پور کب تک  
 حضرت ناصح گراؤں دیدہ دل فرس راہ  
 آن داں تیغ دکن باندے مجھے جاتا ہوں  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھایوں سی  
 خانہ زاد زلف میں رنجیر سے بھاگیں گے کیوں  
 ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غم اُلفت اس  
 منے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا  
 ترے وعدہ پر ہے ہم تو یہ جان جھوٹا  
 تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا ہڈوا  
 کوئی میسٹل نے پوچھے تیرے تیرے کش کو  
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں ناصح  
 رگ سنگ سے پکتا وہ لو کہ پھر نہ قسمت  
 غم اگرچہ جاں گسل ہے کہ کمان بیکر دل ہے  
 اگر اور جیتے رہتے ہی انتظار ہوتا  
 کہ خوشی سے مرنے جاتے اگر اعتبار ہوتا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوا رہوتا  
 غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا  
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا  
 غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا



کہوں کس سے کین کیا ہے عسبِ بُری بڑا " مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا  
 ہوئے مجھے ہم جو ہوا مجھے کیوں غرقِ دریا نہ کبھی جنازہ اٹھاتا نہ کہیں مزار ہوتا  
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یہ گناہ ہے وہ دیکھتا جو دہائی کی بوجھ ہوئی تو کہیں نہ چار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترابیانِ غالب

تجھے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشا طکار کیا کیا	نہ ہو مرنے تو جینے کا مزا کیا
تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا	کہاں تک اسے سراپا ناز کیا
نوازشِ ہائے سجا دیکھتا ہوں	شکایتِ ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں	تفاصلِ ہائے تمکیر آزا کیا
فروعِ شعلہ خنکِ نفس ہے	ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفسِ موجِ محیطِ بخود ہے	تفاصلِ ہائے ساقی کا گلا کیا
دماغِ عطر پیٹرا ہن نہیں ہے	غمِ آوارگی ہائے صبا کیا
مُن اے غارت گر جنسِ وفا سن	شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
دلِ ہر قطرہ ہے سازِ اناجہر	ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھا کیا
معاذِ کیا ہے میں ضامنِ ادرودیکہ	شہیدانِ مجسمہ کا خون بہا کیا

کیا کس نے جگر داری کا دعوے " شکیب خاطر عاشق بھلا کیا  
 یہ قاتل وعدہ صبر آزا کیوں؟ یہ کافر نہ طاقت رہا کیا  
 بلائے جاں ہے غالب کی ہر بات  
 عبارت کیا، اشارت کیا ادا کیا

درخویر قمر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پسید نہ ہوا  
 بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود میں ہیں کہ ہم اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر دانہ ہوا  
 سب کو مقبول ہے دعوے تری بختائی کا روبرو کوئی بُت آسینہ سیما نہ ہوا  
 کم نہیں نازش ہمتائی چشمِ خوں تیار بیمار بڑا کیا ہے گرا چھپا نہ ہوا  
 سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا  
 نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ سلا کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ پیرا نہ ہوا  
 ہر بُن موس دم ذکر نہ ٹپکے خونابِ حنجرہ کا قصہ ہوا عشق کا چپیر نہ ہوا  
 قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ ہے اور جزیرِ گل کھیل از کوں کا ہوا دیدہ بیسنا نہ ہوا  
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرنے

دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تپا شانہ ہوا

اسل ہم وہ جنوع بلاں گئے بے مڑا ہیں کہ ہے سہنچہ شرکان آہو پشت خارا پانا

پیئے نذرِ کرم تحفہ ہے شہرِ نارسائی کا " بخونِ غلطیدہ صدرِ رنگِ عویٰ پارسائی کا  
 نہ ہو سخنِ تماشا دُورِستِ رسوائے وفا کی کا بہ مہرِ حدِ نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا  
 ذکوہِ سخن لے لے طوبہِ بینش کہ مہرِ سا چرخِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا  
 نہ مارا جانے بے جرمِ غافلِ تیری گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حقِ آشنائی کا  
 تنہا سے زبانِ جو پاس بے زبانی ہے مناجس سے تقاضا شکوہ بے دستِ پائی کا  
 وہی اک بات ہے جو یا نفسِ ہاں بختِ گل ہے چمن کا جلوہ باعث ہے مری نگینِ فی الی کا  
 وہاں ہر بُتِ پیغا رہ جو رنجِ سیرِ رسوائی عدم تک ہو ناچہ چاہے تیری بیوفائی کا  
 نہ ہے نامہ کو اتنا طولِ غالبِ مختصر کھدے

کہ حسرتِ بچ ہوں عرضِ ستمائے جدائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقتِ بیاں ہو جائے گا بے تکلفِ دارِ غمِ مسکراہاں ہو جائے گا  
 زہرِ گریا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آبِ پر تو بہتابِ سیلِ خانہاں ہو جائے گا  
 لے تولوں سوئیں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر ایسی باتوں سے وہ کافرِ بگناں ہو جائے گا  
 دل کو ہم صرَفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ استحسان ہو جائے گا  
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راہنی ہوا مجھ کو یا ک زمانہ مہرباں ہو جائے گا  
 گر نگاہِ گرمِ فرمائی رہی تعلیمِ منصب شعلہ خس میں جیسے خونِ گینیاں ہو جائے گا

بانع میں جھکونے جاو نہ میرے حال پر <sup>۱۴</sup> ہر گل تریک چشمِ خوں نشاں ہو جائے گا  
 رائے گرمی را انصافِ محشر میں نہ ہو اب تک تو یہ توقع ہے کہ اداں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد

دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

دردِ منت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا  
 جمع کرتے ہو کیوں رستیوں کو اک تماشا ہوا بکلا نہ ہوا  
 ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں تو ہی جب خبر آزمانہ ہوا  
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ قیاب گایاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا  
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا  
 کیا وہ نہرِ ود کی حُدا ئی تھی بسندگی میں مرا بھلا نہ ہوا  
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
 زحسم گردب گیا لہو نہ تھا کام گر رک گیا روا نہ ہوا  
 رہزنی ہے کہ دستانی ہے لے کے دل دلتاں روا نہ ہوا

کچھ تو پڑھے کہ لوگ کتے ہیں

آج غالب غزل سنانہ ہوا

گلاب ہے شوق کو دل میں بھی تگی حب کا<sup>۱۵</sup> گہڑیں محو ہوا اضطراب دریا کا  
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور پانچ مکتوب مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا  
 خائے پائے خزاں ہے ہمارا اگر ہے یہی دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا  
 غم فراق میں تکلیف سیریاغ نہ دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بجا کا  
 ہنوز مری حسن کو ترستا ہوں کرے ہے ہر تبن مو کا دم چشم بینا کا  
 دل اُس کو پہلے ہی ناز و اداسے دیکھ بیٹھے ہیں دماغ کہاں سخن کے تقاضا کا  
 نہ کہہ کہہ کر گریختہ ابر حیرت دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خچ دریا کا  
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُسکو یاد اسد

بچا میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا

قطرہ ہے بیکہ حیرت سے نفس پر در ہوا خط جاہم سے سرا سر شستہ گوہر ہوا  
 اعتبار عشق کی حنا نہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا  
 جب تیرے بغیر یار نے محل باندھا تپش شوق نے ہرزہ پیکل باندھا  
 اہل نیش نے یہ حیرت کدہ شوخی ناز جو ہر آئینہ کو طوطی بسل باندھا  
 یاس و امید نے یک عرب میدان مانگا عجز ہمت نے ظلم دل سائل باندھا  
 زبند سے تشنگی شوق کے مضروب غالب

گرچہ دل کھول کے دیا کو بھی صاف باہر

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں گریں نے کی تھی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ہے ایک تیر حمیں دونوں جیسے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں

جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کٹا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا بھر گرجر نہوتا تو بیاہاں ہوتا

تنگی دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

بعد یک عمر و رعب بار تو دیتا باسے کاش رضواں ہی دریا رکادیں ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا جھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہوا جب ہم سے لے لے لے تو غم کیا کسے کٹنے کا نہ ہوتا اگر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کننا کہ یوں آتا تو کیا ہوتا

یک ذرہ زمین نہیں بے کار باغ کا یاں جادہ بھی فستیدہ ہے لالہ کے دل کا

بے بے کے ہے طاقت آشوب آگہی کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطایا باغ کا

بلبل کے کاروبار یہ ہیں خندہ ہائے گل کستے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہیں ہے نشہ منکر سخن مجھے " تریا کی متدیم ہوں دُودِ چراغ کا  
 سوا رہنڈ عشق سے آزاد ہسم ہوے پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا  
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ گنگہ غبار یہ میکہ خراب ہے مے کے سراغ کا  
 باغِ تنگفہ تیرا بساطِ نشاطِ دل !

ابر بہارِ خمکہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین چین سے غم پہاں سمجھا رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا  
 یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریاں سمجھا  
 شرح اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا  
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ حرام رخ پر قطرہ عرقِ دیدہ حیراں سمجھا  
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا نبضِ خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا  
 سفر عشق میں کی صنعت نے راحتِ سلی ہر قدم یہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا  
 تھا کہ یزناں مژدہ یار سے دل تادمِ مرگ دفنِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفا دار لکھا

غلطی کی کہ جو کامنہ کو مسلمان سمجھا

پھر مجھے دیدہ تریا دیا دلِ جگر تشنہ مسر یا دیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوا<sup>۱۸</sup> پھر ترا وقت سمیٹا دیا  
 سادگی ہائے تنہا یحییٰ پھر وہ نیز گنگ نظر یاد آیا  
 عنذروا زندگی اسے حسرتِ دل نالہ کرتا تھا جب گریا دیا  
 زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی کیوں تیرا راہ گزریا دیا  
 آہ وہ جراتِ فریاد کہاں دل سے تنگ آ کے جب گریا دیا  
 پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال دل گم گشتہ سگریا دیا  
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھریا دیا  
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھمڑا حشد میں گریا دیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سگریا دیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے مگر کوئی عشاں گیر بھی تھا  
 تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تب ہی کا لگہ اُس میں کچھ شائبہِ خوبیِ تقدیر بھی تھا  
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پستہ بتلا دوں کبھی فترک میں تیرے کوئی غنچہ پر بھی تھا  
 قیدیں تھی تھے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک سنج گرانباری زنجیر بھی تھا  
 پہلی اک کو زندگی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہیں اب تشنہِ تقریر بھی تھا



یوسف اُس کو کبوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی<sup>۹</sup> گر بجز بیٹھے تہیں لائق تہ نہ رہی تھا  
 لکھکر غیر کو ہو کیوں نہ لکھجائے خدا نالہ کرتا تھا اولے طالب تاثیر بھی تھا  
 پیشہ میں عیب نہیں کیے نہ ہر باد کو نام ہم ہی آشفۃ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا  
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سی آخراں شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا  
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پزاق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا  
 ریختی کے تہی استا و نہیں ہونا غالب  
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

لب شک و تشنگی مُردگاں کا زیارت کہہ ہوں ل آزر دگاں کا  
 ہمہ ناامیدی ہے بہ گمانی  
 میں دل ہوں فریب و فاجر دگاں کا

تو دوست کی کا بھی سنگ نہ ہوا تھا اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
 چھوڑا میرے غشب کی طرح دستِ قضا نے خورشیدِ ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا  
 توفیقِ باندۂ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیر کا علم میں متفقہ نیست نہ محشر نہ ہوا تھا  
 میں سادہ دل آزر دگی بار سے خوش ہوں یعنی سبقِ شوقِ مکر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہونٹک ۲۰ میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسل دارغ جگر سے مرے تمہیں

آتشکدہ جاگیا برسمند نہ ہوا تھا

شک و مجلس فروز خلوت ناموس تھا شہ ہر شمع خار کوست فائوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک آگتی ہے خنا کس قدر یارب ہلاک حسرت پاؤں تھا

جہل الفت نہ دیکھا جگر شکست آرزو دل بہ دل پیوستہ گویا ایک النجب تھا

کیا کھوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں

جو کہ کھایا خون دل بے منت کی موس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے

اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا تصور تھا

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جا تا ہوں دارغ حسرت ہستی لئے ہوئے ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا

مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کے میں ثایان دست و خنجر قاتل نہیں رہا

بر رویے شش جہت در آئینہ باز ہے یاں استیلا ز ناقص و کامل نہیں رہا

واکر دے ہیں شوق نے بند نقابِ حُسن<sup>۳</sup> غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں ہا  
 گو میں راہِ یں ستم ہائے روزگار<sup>۴</sup> لیکن ترے خیال سے غافل نہیں ہا  
 دل سے ہوائے کشتِ ناست لگی کڑواں حائل سوائے حسرتِ حاصل نہیں ہا  
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں ہا

رشک کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اخلاصِ حقیقت عقل کہتی ہے کہ بے مہر کرکے آشنا  
 ذرہ ذرہ سا غریب خانہ نیرنگ ہے گردشِ مجنوں عجب کیمائے یلی آشنا  
 شوق ہے ساماں طرازِ نازِ نثارِ بابِ غرّ ذرہ صحرا دِ سنگاہ و قطرہ دریا آشنا  
 میں اور اکلفت کا ٹکڑا وہ دلفرشی کیے غایت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا  
 شکوہ سنج رشک ہمہ گیر نہ رہنا چاہئے میرا زانو منوں اور آئینہ تیرا آشنا  
 کو کہن نقاش کی مثال شیریں تھا اسد  
 سنگ سے سرا کر ہوئے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری و ش کا اور بھر بیاں اپنا بن گیا قیاسِ فقر تھا جو رازِ دان اپنا  
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یا اب آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحان اپنا  
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے غرش سے اُدھر ہوتا کٹکے مکان اپنا

دے وہ جہدِ دلت ہم نہیں میں ٹالینگے " بے آشنا نکلا اُن کا پاس بان اپنا  
 درِ دِل لکھوں کہ تک جاؤں کو دکھلا دوں اُنکلیاں نکلا اپنی خامہ جو نچکان اپنا  
 گتے گتے مٹ جاتا آپے عبث بدلا ننگ سجدہ سے میرے ننگِ ستان اپنا  
 تاکر نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شکایتیں سننے ہم بان اپنا  
 ہم کہاں کے دانائے کس نہر میں کیتا تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن سہاں اپنا

سمرتہ مہفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے کہ ہے چشمِ خریدار پہ احسان میرا  
 برخصتِ نالہ مجھے لے کرے بادلِ ظالم  
 تیرے چہرے سے ہو ظالمِ غم نہاں میرا

غافلِ بوہمِ نازِ خود آرا ہے ورنہ یاں بے شانہ صبا نہیں خطرِ گمیاہ کا  
 بزمِ قدح سے عیشِ تنانہ رکھ کر رنگِ صیدِ زدامِ جستہ ہے اس امگاہ کا  
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے نذرِ زکزاگنہ کا  
 مقفل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہے پُر گل خیالِ زخم سے دامنِ بگاہ کا  
 جاں در ہوائے یک گجہ گرم ہے اسد

پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا

جورے باز آئے پر باز آئیں کیا ” کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا  
 رات دن گردش میں نیرات آسمان ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرا ئیں کیا  
 لاگ ہو تو اُس کو ہم جھبیس لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
 ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
 موج خوں سر سے گزری کیوں جا آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا  
 عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھتے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلا دو کہ ہم بتلائیں کیا

لطف بے ثنافت جلوہ پیدا کر میں کتنی چمن رنگار ہے آئینہ بادِ بھاری کا

حریفِ جوشِ دریا نینخِ دداری سال

جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ شہیاری کا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزنا ہے دوا ہو جانا

تجھے قسمت میں مری صورتِ نقلِ بجد تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ رحمت میں تمام مٹ گیا گھنے نیل س عقد کا دوا ہو جانا

آبِ جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گردید مبدل بہ دم سرد ہوا " باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 دل سے ٹٹا تری انگشت خالی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا چٹا ہو جانا  
 ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
 گر نہیں نکمت گل کو ترے کوچہ کی ہوس کیوں ہے گرد رہ جو لان صبا ہو جانا  
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا  
 بخشے ہے جلوہ گل زوقِ تاشا غالب چشم کو چاہے ہر رنگ میں اہو جانا  
 پھر ہوا وقت کہ ہوا لکنا موجِ شراب دے بطے کو دلِ دوست نامیجِ شراب  
 پوچھ مت وجہ سیہ تہی اربابِ حین سایہ تاک میں قی ہے ہوا موجِ شراب  
 جو ہوا غرقے سے بخت رسا رکھتا ہے سر سے گزے یہ بھی ہے لکنا موجِ شراب  
 ہے یہ برسات وہ موسمِ کونج کیا ہے اگر موجِ جہتی کو کسے فیض ہوا موجِ شراب  
 چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب ہر سو موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب  
 جس قدر موج بناتی ہے جگر تشنہ ناز دے ہے تکیں بد ہم آب بقا موجِ شراب  
 بسکہ دوڑی ہے رگ تاکِ یخیں ہو ہو کہ شہپرنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب  
 موجِ گل سے چراغاں ہے گزر گاؤ خیال ہے تصویر میں بس جلوہ ناموجِ شراب  
 نشہ کپرن میں ہے موجِ تاشائے دماغ بسکہ رکھتی ہے ہر نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم یہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل<sup>۱۰</sup> موجِ سبزِ نوخیز سے تا موجِ شراب  
 شرحِ ہنگامہ ہستی ہے ہے موسمِ گل رہیہ قطرہ بدریا ہے خوشاموَجِ شراب  
 ہوش اڑتے ہیں مے جلوہ گل دیکھ اسد

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشاموَجِ شراب  
 افسوس کہ دیدیاں کا کیا رزقِ فلک نے جن لوگوں کو تھی دروغِ عقدِ گہرا گنجشت  
 کافی ہے نشانی ترے چھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ فخرِ گنجشت  
 لکھا ہوں اسد سوزِ دل سے سخنِ گرم  
 تارکھ نہ سکے کوئی مے حرفِ پیرِ گنجشت

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرت مسلا  
 جگر کو مرے عشقِ خوتا پر شراب لکھے ہے حند او ذہنیت مسلا  
 علی الزعم دشمنِ شہیدِ وفا ہوں مبارک مبارک سلامت مسلا  
 نہیں گرسردِ برگِ اور اکبِ معنی

تماشاے نیزنگ صورتِ مسلا  
 منگتیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب یار لائے نمری بالیں پائے پر کس وقت  
 آمد خط سے ہوا ہے سروِ جوازاں دوست دودِ شمع کشتہ تھا شاید خطرِ خسارِ دوست

لے دلِ نازِ عاقبتِ اندیشِ ضبطِ شوق کر ۲۴ کون لاسکتا ہے تپِ جلوہ دیدارِ دوست  
 خانہ ویراں سازیِ حیرتِ تماشا کیجئے صورتِ نقشبِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست  
 عشق میں بیدارِ شکِ غیر نے مارا مجھے کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست  
 چشمِ روشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے دیدہ پرغول ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست  
 غمروں کرتا ہے میری پرش اُسے ہجر میں بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست  
 تاک میں جانوں کہ ہے اُگلِ روائیِ واں تلمک محکومتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست  
 جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ دلخ سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ غیرِ دوست  
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتارِ دوست  
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے یا بیاں کیجے پاس لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ

ہے رویتِ شعرِ غالبِ بسبحارِ دوست

گلشنِ میندوبستِ برنگِ کر ہے آج قمری کا طوقِ حلقہِ سیرِ ونِ در ہے آج  
 آتا ہے ایک پارہٴ دلِ ہفتاں کے ساتھ تارِ نفسِ کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے نازِ عاقبتِ کنارہ کر اے انتظامِ چل

سیلابِ گریہِ دیوارِ در ہے آج



لوہم مرین عشق کے تیار دار ہیں! " اچھا اگر نہ ہو تو مسحا کا کیا علاج  
 نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظار سا غریب کھینچ  
 کمال گرمی سہی تالاش دید نہ پوچھ برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ  
 تجھے بسانہ راحت ہے انتظار لے ل کیا ہے کس نے اشارہ کہ تار بستر کھینچ  
 تری طرف ہے جسرت نظارہ زگر کجوری دل و چشم قریب سا غریب کھینچ  
 بہ نیم غمرہ ادا کرتی دو بیت ناز نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ

مے و سرخ میں ہے بجلی آتش بہناں

بروئے سفرہ کباب دل سنبھال کھینچ

حسن غمرہ کی کشاکش سے چٹپٹا میرے ہے بائے آرام سے میں اہل جفا میرے ہے  
 منصفیت بیگی کے کوئی تال نہ رہا ہوئی محزون لی انداز واداس میرے ہے  
 شمع بجھتی ہے تو اس میں کونساں ٹھہرا ہے شعلہ عشق یہ پوشش ہوا میرے ہے  
 خوں ہے دل خاک میں احوال ہاں پرینی اُن کے ناخن ہوس محتاج خنام میرے ہے  
 درخویر عرض نہیں جو ہر بہاد کو حبا نجمہ ناز ہے سرمہ سے خنام میرے ہے  
 کون ہوتا ب حریف ہے مردانگ عشق ہے مگر زرب ساقی میں جلا میرے ہے  
 غم سے مڑا ہوں کہ اتنا نہیں نیاس کوئی کر کے تعزیت مہر و فام میرے ہے

اُسے ہے یکسے شوق پہ رونا غالب

گس کے گھر جانیکا سیلاب بلا میرے بعد

بلا میرے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار      بنگاہ شوق کو ہیں بال دیر درو دیوار  
 و فوہاشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ      کہ ہو گئے مرے دیوار و درو دیوار  
 نہیں ہے سایہ کہ سنکڑوید مقدم پار      گئے ہیں چند قدم پیشتر درو دیوار  
 ہوئی ہے کس قدر رازانی ہے حبوہ      کہ مست ہے ترے کو چہ شوق درو دیوار  
 جو ہے تجھے سہر سوداے انتظار تو آ      کہ ہیں دکان مستاع نظر درو دیوار  
 بچہ گرہ کا سامان کب کیا میں نے      کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر درو دیوار  
 وہ آہ ہمارے ہمسایہ میں تو سایہ سے      ہوئے فدا درو دیوار پر درو دیوار  
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی      ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار  
 نہ پوچھ مجھ کو دی عیش مقدم سیلاب      کہ ناچتے ہیں پڑے سر بردر درو دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں مانے میں

حریب رازِ محبت مگر درو دیوار

گھر جب بنالیا ترے در پر کے بغیر      جانیکا اب بھی تو نہ مرا گھر کہنے بغیر  
 کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن      جانوں کسی کے دل کی پہنچ کچھ کہنے بغیر

کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں      لیوے نہ کوئی نام مستحکم کے بغیر  
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہلے وگرنہ ہم      سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کئے بغیر  
 چھوڑوں گا میں نہ اُس بُت کا فر کا پوجنا      چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر  
 مقصد ہے ناز و غمزہ دے لے گفتگو میں کام      چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر  
 ہر چہند ہو شاہد حق کی گفتگو      بنتی نہیں ہے بان و ساغر کے بغیر  
 بہرہا ہوں میں تو چاہے دونا ہوا التفات      سُنا نہیں ہوں بات سُکر کے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر

کیوں جل گیا نہ تاب نہ بن یا رکھی کر      جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر  
 آتش پرست کتے ہیں اہل جہاں مجھے      سرگرم مالہ ہائے شر بار دیکھ کر  
 کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جھٹ      رکتا ہوں تم کو بے بہانہ دیکھ کر  
 آنا ہے میرے قتل کو پُروش رشک سے      مرتا ہوں اُس کے ہاتھ تلوں ار دیکھ کر  
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خونِ سلق      لڑے ہے حق سے تری زُفار دیکھ کر  
 و احسرا تاکہ یار نے کینیا ستم سے ہاتھ      ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر  
 یک جاتے ہیں ہم آپتاً عین کے ساتھ      لیکن عیاں طبعِ فریدار دیکھ کر

زُخارِ باندہ سجہ صد دانہ توڑ ڈال " رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر  
 ان آہوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر  
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مے طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر  
 گرنی تھی ہم پر برقِ تجنی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظربِ قححِ خوار دیکھ کر

مسر بھوڑا وہ غالب شوریدہ حال کا

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

رزنا ہے مرادل زحمت مہر و زشاں پر میں ہوں وہ قطرہ شبنم جو مہرِ خابریاں پر  
 نہ چٹوئی خستہ یوسفٹیاں بھی خانہ آرائی سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے مذاق  
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانہ سے کہ محبوں لام الف اکھتا تھا دیوارِ دستاں پر  
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے بہم کرتے کرتے پارہ اسٹل مکداں پر  
 نہیں تعلیمِ الفت میں کوئی طواریاں نازیاں کر پستِ چشم سے جسکے نہ سوڈ مہرِ غواں پر  
 مجھے اب دیکھ کر بشیق آلود آیا کہ فرقت میری آتش برستی تھی گلستاں پر  
 بجز پروانہ شوقِ ناز کیابانی راہوگا قیامت اک سبوتاہد ہے خاکِ شیداں پر

رزنا صبح سے غالب کیا ہو اگر اتنے شدت کی

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریساں پر

ہے بیکہ ہر اک اُنکے اُٹاسے میں نِشاں و " کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے کہاں اور  
 یار وے نہ سمجھے ہیں نہ بھیجے مری بات مے اور دل اُن کو جو نہ مے جھکواں اور  
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہِ ناز کو یہ یونہی ہے تیر مقررہ مگر اُس کی ہے کہاں اور  
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے لے آئیے یا زار سے جا کر دل و جاں اور  
 ہر چند شکست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سب گراں اور  
 ہے خونِ جگر جو شہر میں دل کھول کے دُعا ہوتے جو کئی دیدہ و نسا بہ نِشاں اور  
 مڑتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے جلا دکو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور  
 لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک لہرِ نماں اور  
 دیتا نہ اگر دل تمہیں لیتا کوئی دم چہین کرتا جو نہ مڑتا کوئی دن آہ و فغاں اور  
 پاتے نہیں جب اہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے ڈاں اور

ہیں اور بھی دنیا میں حسن و بہت اپنے چھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

صفحاتِ حیرت آئینہ ہے سامانِ زنگِ آخر تیرا آبِ برجامندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی

ہو اجامِ زمر و بھی مجھے دانا بُلنگِ آخر

جنوں کی دنگیری کس سے ہو کر ہونہ عریانی  
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یکپہنہ  
 فلک سے ہکویش رفتہ کا کیا کیا تقاضہ ہے  
 شمع مہر سے تمت نگہ کی خیمہ روزن پر  
 فنا کو سو نپ کر شتاق ہے اپنی حقیقت کا  
 اسد بل ہے کس انداز کا قاتل سے کتنا تھا

کہ مشق ناز کو خونِ دو عالم میری گردن پر

تمکس صلحت ہوں کہ خواں تجھ پے عاشق میں  
 لازم تھا کہ دیکھو مرا ستا کوئی دن اور  
 مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا  
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کجاؤں  
 جاتے ہو بے کتہ ہو قیامت کو ملیں گے  
 ہاں اے فلک میری خواں تھا ابھی عارف  
 تم ماہ شب چار دم تھے مے گھر کے  
 تم کون سے ایسے تھے کھرے ادو تد کے  
 تھکے بر طرف مل جائے گا تجھ سا قیاس  
 بہنا گئے کیوں اب رہو نہا کوئی دن اور  
 ہوں در پہ تھے ماضیہ فرسا کوئی دن اور  
 مانا کہ پیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور  
 کیا خوب قیامت کا ہو گیا کوئی دن اور  
 کیا تیرا جگر تاج نہ مرنا کوئی دن اور  
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور  
 کرتا مالک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سی تیرے لڑائی ” بچوں کا بھی دیکھنا تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش ناخوش کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو چکے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب

قسمت میں ہے مرنے کی تما کوئی دن اور

فارغ مجھے نہ جان کہ اس نہ صبح و مہر ہے داغ عشق زینت حیب کفن ہنوز

ہے نامز مفسدان زرازدست رفته ہوں گل فروش شوخی داغ کھن ہنوز

مینا نہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

خمنیازہ کیچنے ہے بت بیدار فن ہنوز

حریف مطلبشکل نہیں فنون نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز

نہ بہرہ زیباں نور و دہم وجود ہنوز تیرے تصویر میں ہم تثیب فراز

وصال جلوہ تماشا ہے پرداع کماں کہ دیجے آئینہ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرت گئی نہ خاک ہوئے پر ہوا جلوہ نما

نہ پوچھ وسعت بخانہ حبسوں غالب

یہاں یہ کائنات گرد و آلودہ ایک خاک نداز

وسعت سہی کرم دیکھ کہ ستر اسر خاک گزرتے ہے آبلہ پا برگسہ باد ہنوز

مزدانی شمع

یک قلم کا غذا آتش زدہ ہے صفحہ دشت

نقش پائیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

کیونکر اُس بُستے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

نئے گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز ہیں ہوں اپنی تنکست کی آواز

تو اور آراشِ حنیم کا گل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

لاف تکلیں منیب سادہ دلی ہم ہیں اور رازِ اے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ورنہ باقی ہے طاقِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستگر سے ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں جس سے مڑ گاہ ہوئی نہ ہو گلاباز

اے تراغفرہ یک قلمِ انجمیز اے ترا ظلم سربِ رانداز

تو ہوا حبِ وہ گر مبارک ہو ریزشِ حبدہ بسببِ نیاز

بھمکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا میں غریب اور تو غریب نواز



## اسد اللہ خاں تسم ہوا

اے درین اوہ رندِ شاہِ باز

مژدہ اے ذوقِ امیری کہ نظر آتا ہے دامنِ خالی نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
 جب گشتِ آزارِ تلی نہ ہوا جوئےِ خوں ہم نے بہائی بنِ ہزار کے پاس  
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیار کے پاس  
 میں بھی رک رک کے نہ مرنے جاؤں باں کے بلے دشنہ اک تیز سا ہوتا میرے غمِ خواہ کے پاس  
 دہنِ شیر میں جا بیٹھے لیکن لے دل نہ کھڑے ہوئے خوبانِ دل آزار کے پاس  
 دیکھ کر تجھ کو چین بک نہ کراتا ہے خود بخود پہنچے ہے گلِ گوشہ دستان کے پاس  
 مر گیا پھوٹ کے سرِ غالبِ وحشی ہے ہے

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

زیلوسے گزں جو ہر اوت سبزو خط سے لگا فے خانہ آسینہ میں رنے نگارِ آتش

فروغِ سخن سے ہوتی ہے تلِ شکلِ عاشق

نہ بکھلے شمع کے پاس نہ نکلے گرنہ خارِ آتش

جادہ رہ خور کو وقتِ شام ہے تا شعاع چرخِ واکر تہا ہے ماہِ نو سے آغوشِ ذراع

رُجِ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع

زبان اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی<sup>۳۴</sup> یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شیخ  
 کرے ہے صرف ایماے شعلہ قصہ تمام بطر زباں فنا ہے فنا نہ خوانی شیخ  
 غم اُس کو حسرت پر دانہ کا ہے اشعلہ ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شیخ  
 تم سے خیال سے رُوح اہتر زکرتی ہو بجلوہ ریزی باد و بہ پر فانی شیخ  
 نشاط دایع غم عشق کی بہار نہ پوچھ شگفتگی ہے شہید گلِ خزانہ شیخ  
 جلتے دیکھ کے بالین یا پر مجھ کو

نہ کیوں ہو دل پہ مرے دایع بدگمانی شیخ  
 بچم قریب سے نہیں کرتے دایع ہوش مجبوریاں تاک ہوئے اے ہتھیاریت  
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے  
 اے انا مای نفس شدہ با حیف

زخم پر چھپائیں کہاں طفلان بے پڑا نک کیا مڑا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک  
 گردِ راہ یا رہے سامانِ ناز زخیم دل ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قیدیہ نک  
 جھکوار زانی رہے تھک کو مبارک ہو جو نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نک  
 شور و جلاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج گردِ ساحل ہے بزخمِ موجبِ دیا نک  
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی داہ واہ یاد کرتا ہے مجھے دیکھ ہے دوجس جاب نک

چھوڑ کر جانا تیرا روح عاشق حیف ہے ” دل طلب کرتا ہے غم کو اوائلیں ہیں عشاء تک  
غیر کی منت نہ کھینچوں گا ہے تو قیہ برد زخم پیش خندہ قاتل ہے سرتاپا نامک  
یا دہیں وہ دن تجھے غالب کر وجہ دہش میں

زخم سے گزرا تو میں بلکوں سے پھٹتا تھا نامک

آہ کو چاہے اک عمر اتر ہوئے نامک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوئے نامک  
دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پر گہر ہوئے نامک  
عاشقی صبر طلب اور تنہا بیتاب دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہوئے نامک  
ہم نے مانا کہ تنافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیگے ہم تم کو خبر ہوئے نامک  
پر تو خور سے ہے شبہم کو فنا کی تسلیم میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہوئے نامک  
یک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل گرمی بزم ہے اک قصص سر ہوئے نامک

غم ہستی کا اسدا کس سے ہو جز مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں ملتی ہے سحر ہوئے نامک

گر تجھ کو پہنچیں اجابت دعا نہ مانگ یعنی بغیر یک دل بے مہمانہ مانگ

آتا ہے داغ حسرت دل کا شایا

بھٹسے مرے گئے کا حساب خدا نہ مانگ

ہے کس قدر ہلاک فریبِ وفا سے گلؔ      بیل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گلؔ  
 آزاد کی نسیم مبارک کہ ہر طرف      ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دایم ہوائے گلؔ  
 جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں گیا      اسے داسے تالہ لب جوئیں نوائے گلؔ  
 خوش حال اس حریفِ سیرت کا کہ جو      رکھتا ہو مثل سایہ گلؔ سر پائے گلؔ  
 ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بسا      میرا قریب ہے نفسِ عطر سائے گلؔ  
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باوہار سے      مینائے بے شرابِ دل بے ہوائے گلؔ  
 سطوت سے تیرے جلوہٴ حسنِ عیور کی      خوں ہے مری نگاہ میں نگِ ادائے گلؔ  
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک      بے اختیار دوڑے ہے گلِ درختائے گلؔ

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو

جس کا خیال ہے گلِ جیب تباہے گلؔ

غم نہیں ہوتا ہے آوازوں میں ازیک نفس      برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم  
 غم نہیں برہم کرے ہے گنجفہ باخِ خیال      ہیں درق گردانی نیز نگِ یک بُتخانہ ہم  
 باوجودیک جہاں ہنگامہ پیدا ہی نہیں      ہیں چرخِ افغانِ شبنمِ دل پر و انہ ہم  
 منفع سے ہے نہ فناع سے یہ ترکِ جستجو      ہیں دبالِ تکیہ گاہِ ہستِ مردانہ ہم

دائمِ اکھبلس میں میں لاکھوں تمنائیں اسد

جانتے ہیں سینہ پر غول کو زنداں خانہ ہم  
 بنالہ حاصل دل بستگی فرما ہم کر  
 متاع خانہ زنجیر حبس معلوم  
 بھکو دیا غمبیریں مارا وطن سے دور  
 رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم  
 وہ حلقہ اسے زلف کہیں میں میں لے خدا  
 رکھ لیو میرے دعوئے و ارستگی کی شرم

لوں دامِ بختِ فتنہ سے یک خوابِ خوش دے  
 غالب یہ خون ہے کہ کہاں سے ادا کروں  
 وہ فراق اور وہ وصال کہاں  
 وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں  
 فرصت کا رو بارِ شوق کسے  
 ذوقِ نظارہ جمال کہاں  
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا  
 شورِ سوداے خط و قال کہاں  
 تھی وہ اک شخص کے قصو سے  
 اب وہ رعنائی خیال کہاں  
 ایسا آسان نہیں لہو و نا  
 دل میں طاقت جگر میں حال کہاں  
 ہسم سے چھوٹا قمار خانہ عشق  
 داں جو باتیں گوہ میں مال کہاں  
 فنکرو نیائیں سر کھپاتا ہوں  
 میں کہاں اور یہ وبال کہاں  
 مضحل ہو گئے تو لے غالب!

وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کی دفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کتے ہیں " ہوتی آتی ہے کہ اچھوں کو برا کتے ہیں  
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں بردیکھے کیا کہتے ہیں  
 اگلے وقتوں کے ہیئت لوگ انہیں کچھ نہ کہو جوئے و نعمہ کو اندوہ نہ بکتے ہیں  
 دل میں آجائے ہے ہوتی ہو جو فرصت غشتے اور پھر کون سے نالے کو راکتے ہیں  
 ہے پڑے سرحدِ اراک سے اپنا اسود قبیلہ کو اہل نظر قبیلہ نکاتے ہیں  
 پائے افکارِ چرب سے تجھے رحم آیا ہے خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کتے ہیں  
 راک شرِ دل ہیں اُس کوئی گھبراہٹ لگا گیا آگِ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کتے ہیں  
 دیکھے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ اُس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کتے ہیں  
 وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاید

مر گیا غالب آشفۃ نوا کتے ہیں

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں دشتِ غم میں آہوئے عیا دیدہ ہوں  
 ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو گمہ نالہ کشیدہ گمہ اشکِ چکیدہ ہوں  
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن از بسکہ تلخی غمِ حبابِ حشیدہ ہوں  
 نے سب سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ میں مرضِ مثال میں دستِ بُریدہ ہوں  
 ہوں خاکِ سار پر نہ کسی سے ہے جھکوا لاگ نے داغِ نمادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

جو چاہئے نہیں وہ مری قدر و منزلت " میں یوسف بقیعتِ اولِ خرباہ ہوں  
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ ہوں میں کلامِ نفز و نے ناشنیدہ ہوں  
 اہلِ وراء کے حلق میں ہر چند ہوں ذیل ہر غاصیوں کے فرقہ میں میں برگزیدہ ہوں  
 پانی سے لگ گزیدہ ڈرے سطحِ اسد

ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردِ گزیدہ ہوں

آبرو کیا خاک اُس گل کی چوگلش میں نہیں ہے گریاں تنگ پہراہن جو دہن میں نہیں  
 ضعف لے کر یہ اتنی کچھ مے تن میں نہیں رنگ ہو کر اُڑ گیا جو فوں کو دہن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب ڈرے اُسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں  
 کیا کہوں تاریکی زندانِ عسم اندھیر ہے پنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 ردق ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے انجمن بے شمع ہے گر برقِ حسدِ مرین میں نہیں  
 زخمِ سوانے سے مجھ پر جاہِ جونی کا ہے طعن غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں  
 بلکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے لئے ہوئے جلوہ گل کے ہوا اگر اپنے مدفن میں نہیں  
 قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا خوں بھی ذوقِ درد سے فراع مے تن میں نہیں  
 لیگی ساتی کی نخوتِ قلمِ آستامی مری مونہ سے کی آج رگِ مینا کی گردن میں نہیں  
 ہوشِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمودِ قد کے بچکنے کی بھی جُناش مے تن میں نہیں

تھی ڈس میں ان کیا غالب جو غریب تھے  
بے تحلف ہوں وہ شہتیں گشت میں نہیں

عمدے سے سب ناز کے باہر آسکا      گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کوں  
صلے ہیں چشم اے کٹا وہ ہونے لے      بہت ناز لے کو گھبراہ سر سہا کوں  
میں اور صد ہزار نو اے جگر خاں      تو اور ایک وہ نشین کر کیا کوں  
ظالم مرے گماں سے مجھے نفع نچاہ  
سہ ہے خدا نہ کرو تجھے یوں فاکوں

مہرباں ہو کہ بلاو مجھے چاہوں وقت      میں کیا وقت نہیں ہوں کہ پھر کجی نہ کوں  
صفت میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے      بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ کوں  
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستر در نہ  
کیا قسم ہے تے ملنے کی کہ کھا جی نہ کوں

ہم سے کھل جاؤ وقت سے پرستی ایک دن      ورنہ ہم چھٹی ٹینگ رکھ کر غدرستی ایک دن  
غزہ اوج بنائے عالم اسکاں نہ ہو      اس بندی کے نصیب نہیں ہو پرستی ایک دن  
قرض کی پیٹے تھے ملین بچتے تھے کہ ہاں      رنگ لائیگی ہماری فاقہ سستی ایک دن  
نہ ہائے دل کو بھی اسے دل غنیمت جانے      بے صدا ہو جائیگا یہ ساڑھ سستی ایک دن



دھول دھپا اس سراپا ناز کا شہ وہ نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشہ تھی ایک دن

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں      اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں  
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا      پرسش ہے اور پائے سخن دیباں نہیں  
ہم کو کسٹم عزیز ستلگر کو ہسم عزیز      نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں  
بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی      آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرد باں نہیں  
ہر چند جاں گدازی قہر و عتاس ہے      ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہیں  
جاں مطرب ترانہ قہل فہن قزید ہے      لب پردہ سنج زمزمہ الامان نہیں  
ہے تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو      سہ عار و ل نفس اگر آذر فشان نہیں  
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم      دل میں چھری چھو مڑہ گونچ پکان نہیں  
نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب      سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گلان نہیں  
کتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں      گویا جبین پہ سجدہ بہت کا نشان نہیں  
پتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی      روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہیں

جاں ہے ہوائے بوسہ دے کیوں کیے ابھی

غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

مانع دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں " ایک کچر ہے مے پاؤں میں زنجیر نہیں  
 شوق اُس دشت میں ڈولے ہے بھلکا کہ ہوا جادہ غیر از گھمبہ دیدہ تصویر نہیں  
 حسرت لذتِ آزار رہی جاتی ہے جادہ راہ و مناجز دم شمشیر نہیں  
 رنجِ نوسیدی جاوید گوارا رہیو خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاشیر نہیں  
 سر کھچا تا ہے جہاں زخمِ سراچھا ہو جائے لذتِ نگ باندازہ قفسِ تیر نہیں  
 جب کرمِ خصتِ میاکی و گستاخی دے کوئی تقصیرِ حیرتِ محبتِ تقصیر نہیں  
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ زنجیر نہیں

متِ مردِ مکِ چشمِ میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جج سوید اے دلِ چشمِ میں آئیں  
 بزرگالِ گریہ عاشق ہے دیکھا چاہتے کھل گئی ماندِ گلِ سوجا سے دیوارِ چرمن  
 اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ دارِ گل

سرو ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چرمن

عشقِ تاشیر سے نوسیدی نہیں حبِ نپاری شجرِ پیدی نہیں  
 سلطنتِ دستِ بدست آئی ہے جامِ مے حاتمِ جیشِ نہیں  
 ہے تجلِ تری سامانِ وجود ذرہ بے پروا خوردِ رشید نہیں

رازِ معشوق نہ رُسا ہو جائے ۛۛ ورنہ مرجبانے میں کچھ بھید نہیں  
 گردشِ رنگِ طرب سے ڈیے عسبِ محرومیِ حب وید نہیں  
 کہتے ہیں جیسے ہیں امید پہ لوگ ہم کو جینے کی بھی اُمید نہیں  
 جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباںِ خیاباں ادم دیکھتے ہیں  
 دلِ آشفگاہِ خالِ کنجِ ذہن کے سوید ایس سیرِ عدم دیکھتے ہیں  
 ترے سروِ قامت سے اک تہِ آدم قیامت کے تھے کو کم دیکھتے ہیں  
 تماشا کہ اے مجھ آئینہ داری تجھے کس تنائے ہم دیکھتے ہیں  
 سراپِ غف نالہ دارِ غِ دل ہے کہ شجرِ دکا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بناکرِ فقروں کا ہم بھییں غالب

تماشا ہے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ملتی ہے خوشی یارے نارِ التباب میں کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحتِ عذاب میں  
 کب سے ہوں کیا تاؤں جہاںِ خرابیاں شبِ اے سحر کو بھی رکھوں گرجا میں  
 نا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عسبر آئے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں  
 قاصد کے آتے آتے خطِ اک ل و لکھ رکھوں میں جانا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 مجھ تک کب آنکی نرم میں آتا تھا دوبرِ جام ساقی نے کچھ ملانہ دیا ہو شراب میں

جو منکر و نافرمان ہو سب اس پہ کیا چلے ” کیوں بدگماں ہوں دوست دشمن کے پاس میں  
 میں مضطرب ہوں دل میں غم قریب سے ڈالا ہے تم کو وہم نے کس بیچ و تاب میں  
 میں اور خط و صل خدا ساز بات ہے جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں  
 لاکھوں لگاؤ ایک چپڑا نا بنگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک جگر ٹا عتاب میں  
 وہ مالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں  
 وہ بھردہ عاطیلی میں نہ آئے کام جس بحر سے سفینہ رواں ہو ستراب میں

غالب چٹّی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

کل کے لئے کراچ نہ خست شراب میں یہ سونہ وطن ہے ساقی کوثر کے باب میں  
 ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 جاں کیوں نکلے گئی تھی تن سے دم سماع گروہ صدا سانی ہے چنگ درباب میں  
 رویں ہے خشن عمر کہاں دیکھے تھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاپے کا باب میں  
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں  
 اصل شہود و مشاہد و شہود ایک ہے حیراں ہوں بھر شاہد ہے کس حساب میں

ہے مثل بنودِ صو پر وجودِ بحر ” یاں کیا دھڑا ہے قطرۂ موج و حباب میں  
 شرم اک اداسے نازِ چاہنے ہی سے ہی ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں  
 آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیشِ نظر ہے آئینہ دائمِ نقاب میں  
 ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شود ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیغ اب میں  
 خالبِ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوندِ دوست

مشغولِ حق ہوں بندگیِ بو تراب میں

حیراں ہوں دلِ کور وں کی پیٹوں بلکہ کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں فوجِ گر کو میں  
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ دھر کو میں  
 جانا پڑا قریب کے درِ چمنزار بار اے کاش جانتا نہ تری رگِ گزیر کو میں  
 ہے کیا جس کے بازوئے میری بلا ڈٹے کیا جانتا نہیں ہوں تیری کمر کو میں  
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں  
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ سب کو میں  
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار کیا پوچھتا ہوں اُس بُتِ بیدار کو میں  
 پھر جو دی میں بھول گیا راہ کو سے یار جاتا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں  
 اپنے پکر رہا ہوں قیاسِ اہلِ دھر کا سمجھا ہوں دلِ پذیرِ ستارِ نہر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمنہ نماز

دیکھوں سلی بہا و عالی گھر کریں

ذکرِ میرا یہ بدی بھی اُسے منظور نہیں      غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں  
وعدہ یہ گھرِ ستاں ہے خوشا طالبِ شوق      مرقعِ قتلِ صفت رہے جو مذکور نہیں  
شاہد ہستی مطلق کی کسر ہے عالم      لوگ کہتے ہیں کہ ہے پرہیز منظور نہیں  
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن      ہم تو تقلیدِ تنکے ظریفی منصوبہ نہیں  
حسرت لے ذوقِ خرابی کہ وہ طائفت ہی      عشق پر عہدہ کی گوں تن رنجور نہیں  
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے قیامت ہیں تمہیں      کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم زور نہیں  
ظلمِ ظالم اگر لٹھعت در رخ آتا ہو      تو تعاف نہیں کسی رنگ سے معذور نہیں  
صاف دردی کش پیمانہ جم ہیں ہم لوگ      وائے وہ بادہ کد افشردہ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعوے پر یہ حجت ہے کہ شہو نہیں

نالہ بجزِ حزنِ طلب لے تم ایجا نہیں      ہے تقاضاے جفا شکوہ بیدار نہیں  
عشق و مزدوری عشرت کہ سر و کیا خوب      ہم تو سلیم نم کو نامی سدا نہیں  
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پر وسعتِ علوم      دشت میں ہے مجھے وہیش کہ گھرا نہیں

ابن ہش کو ہے طوفانِ حوادثِ کتب " لطمہ موجِ کم از سیلِ اُستاد میں  
 واسے محدثِ تسلیم و بداحال و فاجاننا ہے کہ ہمیں طاقتِ فرماؤ نہیں  
 بجگِ تکمینِ گلِ ولالہ پریشان کیوں ہے گر چہ راغانِ سب پر گزریاؤ نہیں  
 سب گھل کے تلبند کرے بے گھیں مژدہ اسے مرغِ گزرا میں صیاد نہیں  
 نفی سے کرتی ہے اثباتِ تراوشِ گویا دی ہے جاے دہن اُس کس دم ایجا نہیں  
 کم نہیں جلوہ گری میں تے کو چہ بے بشت یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباؤ نہیں  
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایتِ لعل

تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں  
 دونوں جہان دیکے وہ سمجھے کہ خوش رہا یاں آپڑی یہ شرم کہ تھکا کر کیا کریں  
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار گئے تیرا پستانہ پائیں تو ناچا کر کیا کریں  
 کیا غم کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم  
 ہو غم ہی جاں گداز تو غنوار کیا کریں  
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کا رگر عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں نہیں  
 قیامت کہ لیل کا دُشمنِ تیس میں آنا تھو ہے وہ بولایوں بھی ہونے یا نہیں  
 دل نازک پہ اُس کے حرم آتا ہے بے لعل

۵۰  
نہ کر سرگرم اُس کا فر کو اُلفت آنا نہیں

اُن لگا لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا      باسے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی دایاں  
یہ زوالِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام      مہر گردوں ہے چراغِ رہ گز اربادیاں  
یہ ہم جو جہیز دیوارِ دور کو دیکھتے ہیں      کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
وہ آئیں گھر میں سے خدا کی قدر ہے      کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
نظر لگے نہ کہیں اُس کے دستِ بازو کو      یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جلر کو دیکھتے ہیں  
ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں !

ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

نہیں کہ بھلو قیامت کا اعتقاد نہیں      شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں  
کوئی کہے کہ شبِ بیدار کیا بُرائی ہے      بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں  
جواؤں سانے اُن کے تو مرجا بیکیں      جواؤں اُس سے کہیں کو تو خیر باد نہیں  
کبھی جوا دہی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں      کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں  
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی ستر      گدائے کو چہ سیحانہ نامُراد نہیں  
جہاں میں ہونم و شادی ہم ہیں کیا کام      دیا ہے ہم کو خدا نے دلِ کُشتا نہیں  
تم اُن کے وعدہ کا ذکر اُن سے کیوں دیتا



یہ کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کیا نہیں

تیرے توسن کو صابانہ تھے ہیں ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں  
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
تیری فرصت کے مقابل لے عمر! برق کو پا بہ حسا باندھتے ہیں  
قیہ ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
نشہ رنگ سے ہے واشد گلن مست کب بن قبا باندھتے ہیں  
غلطیٹھے مضامین مت پوچھ لوگ نالے کو صابانہ تھے ہیں  
اہل تدبیر کی دامانہ گیاں آبلوں پر بھی حسا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار میں غواں غالب

ہم سے بیان وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آنا رہے بجان اسد وگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں  
دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جلے دل؟ انسان ہوں پیالہ وساغر نہیں ہوں میں  
یارِ زمانہ مجھ کو مٹا ہے کس لئے لوحِ جہاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں  
حد چاہے نہ میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کا فر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے " نعل و زمرہ دوڑ گوس نہیں ہوں میں  
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ رُتے ہیں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
 کرتے ہو مجھ کو منع قدموں کس لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں  
 غالب و ظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دما

وہ دن گئے جو کہتے تھے ذر نہیں ہیں

کسبیاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوئی کہ نہاں ہو گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگ و رنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں  
 تھیں باتِ آتشِ گردوں کو پڑے میں نہاں شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ غریباں ہو گئیں  
 قیدیٰ بیوقوف نے لی گوئیہ یوسف کی خبر لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں  
 سب قیدیوں سے ہوں خوش پر نامِ بصر ہے زینا خوش کہ محو ماہِ کھنکشاں ہو گئیں  
 جتنے خوں آنکھوں سے بنے دو کہ چشمِ فرق میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں روزِ فزواں ہو گئیں  
 ان پر زیاں سے لیٹے غلہ میں ہم انتقام قدرتِ حق سے یہی خوریں اگر واں ہو گئیں  
 نیند اس کی بے باغ اس کلبے رہیں نہ کی ہیں تیری نفیس جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں  
 میں چہ نہیں کیا گیا گو یا دبستاں کھل گیا بلبلیں مَن کر مرے نالے غزنواں ہو گئیں  
 وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا بے لکے پا جو مری کوتاہی قسمت سے مرگ گاہیں ہو گئیں

بک روکامیں نے اوسینیں اُبھریں ہے پیسے  
میری آہیں بخینے چاک گریباں ہو گئیں  
واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب  
یا دھتیں جتنی دُعائیں صرف دریاں ہو گئیں  
جانفزا ہے بادو جکے ہاتھ میں جام آگیا  
سب لکیریں ہاتھ کی گویا گِ جاں ہو گئیں  
ہم سوحدیں ہمارا پیش ہے ترکِ رسوم  
میتیں جب سٹگیں اجڑائے ایماں ہو گئیں  
بُنجے خُور ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے بُنج  
مشکلیں مجھ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گرد و قار با غالب تو لے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دیوانگی سے دوش پر زنا رہی نہیں  
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں  
دل کو نسیا ز حسرت دیدار کر چکے  
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
مٹا اگر ترا نہیں آساں تو سہل ہے  
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی جو دریاں  
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں  
شوریدگی کے ہاتھ ہے شربانِ دیش  
صحرائیں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
گنجائشِ عداوت اغیار اک طرف  
یاں ل میں ضعف سے ہوس یا رہی نہیں  
ذرا نامائے زائے سے خدا کو مان  
آخر نوائے مُربخ گرفتار بھی نہیں  
دل میں ہے یار کی صفِ مخمخاں سے کشی  
حالانکہ طاقتِ خلش خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ۴۰ رٹے ہیں اور ہاتھیں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار

دیوانہ گز نہیں ہے تو ہنسیا رہتی نہیں

نہیں ہے زخم کوئی بچنے کے دعوے میں ہیں      ہوا ہے تارِ اشک یا اس رشتہ چشم بزم ہیں  
ہوئی ہے مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی      کفِ سیلاب آتی ہے بزمِ جنبہِ وزن میں  
ودعیت خانہ بیدار کاوشاے مرغیاں ہوں      گلین نام شاہ ہے مراہِ قطروں تن میں  
بیان کس سے ظلمت گسری سے شبتاں کی      شبت ہے جو رکھ دیر جنبہ دیواروں کے وزن میں  
نکوہش مانعِ بے ربطی شورِ جُبنوں آئی      ہوا ہے خندہ احباب بچنے جیبے دامن میں  
ہوئے اس مہروش کے جلوہ تماشا کے آگے      پرانساں جو ہر آئینہ میں ششِ ذرہ وزن میں  
نہ جانوں نیکناس یا بد بون صحبتِ مخالفت      جو گلِ حق ہوں گلِ حق میں جو حق ہوں گلِ حق میں  
ہزاروں دل لیے جوشِ جنونِ شش نے جھکوا      سید ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں

اسدِ زندانی تاثرِ الفت ہائے خوابوں میں

خیمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوقِ گردن میں

مرے جہان کے اپنی نظریں خاک نہیں      سوائے خونِ جگر جو جگر میں خاک نہیں  
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے      دگر نہ تاب و توانِ بال و پرِ خاکِ سیر

یکس بہشت شقائق کی آمد آمد ہے کہ غیر جلوہ گُل رہ گزیر میں خاک نہیں  
 بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا اثر میرے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 خیال جلوہ گُل سے غراب میں سیکش شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں  
 ہوا ہوں عشق کی غارت گری شہر نہ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں  
 ہمارے شعر ہیل بے صرف دل لگی کے کھنکھارے  
 کھلا کہ فائدہ عرض بہن میں خاک نہیں

دل ہی تو ہونے لگتے دہشت در سے بڑھ آئے کیوں  
 دینیں حرم نہیں دینیں آستان نہیں  
 جب وہ جمال و لفظ و صورت مہر میرور  
 دشتِ غم نہ جانتاں ناوکِ ناز بے پناہ  
 قید حیات و بندِ غم اہل میں نہوں ایک ہیں  
 حُسن اور اُس چرخِ ظن گہی بواہوں کی شرم  
 واں وہ غروبِ غم و نازیاں یہ حجابِ پائے وضع  
 ہاں وہ نہیں خاںِ ابرت جاؤ وہ بیوف ساسی  
 غالبتے کے بغیر کون سے کام بند ہیں؟  
 دینے لگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں  
 بیٹھے ہیں رہ گزیر چہم غم نہیں اٹھائے کیوں  
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز پر کے منہ چھپائے کیوں  
 تیرا ہی عکس رخ سہی سائے تیرے آئے کیوں  
 موت سے پہلے آدمی غم سے نہات چاک کیوں  
 اپنے پتھار ہے اور کو آزمائے کیوں  
 راہ میں ہم ملیں کہاں بزمِ مژدے بلائی کیوں  
 جھکو ہو دین و دل عزیز لگی میں سب کیوں  
 روئے زار زار کیا کیجئے ہائے کیوں

غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں <sup>۵۶</sup> بوسہ کو پوچھتا ہوں میں سے مجھے بتا کہ یوں  
 پریش طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کے اُسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہر یاد اک یوں  
 رات کے وقت سے پہلے ساتھ قریب کو لئے آئے وہ یاں اک سے پر نہ کرے خدا کہ یوں  
 غیر سے ات کیا بنی یہ جو کس تو دیکھے سامنے آن بٹھیا اور یہ دیکھت کہ یوں  
 بزم میں اُسکے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھے اُسکی تو خاموشی میں بھی ہر ہی تہِ عالم کہ یوں  
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز غیر سے چاہے تھی سُنکے ستمِ ظریف نے جھکوا اٹھا دیا کہ یوں  
 مجھے کہا جو یا نے جلتے ہیں ہوش کس طرح دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں  
 کب مجھے کوئے یا میں رہنے کی نصیحتی؟ اجمینہ وار بن گئی حیرتِ نقشِ پاک کہ یوں  
 گرتے دل میں ہو خیالِ نعلِ میں تن کا زوال موجِ محیطِ آب میں لائے ہے دستِ پاک کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریحۃ کیوں کہ ہوشِ کب فاری

گفتہ غالب یکبار پڑھکے اُسے سنا کہ یوں

حسد سے دل اگر اندر وہ ہے گرم تہاں ہو کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے داہو  
 بعدِ حسرتِ دل چاہے ذوقِ معاصی بھی بھروں یک گوشہ و اس گراں بہت دریاہو

اگر وہ سرد قد گرم حسرتِ رام ناز آجائے

کفِ ہر خاکِ گلشنِ شکرِ قسری نالہ فرساہو

کہیں جا رہا تو نہ دو طغہ کیا کہیں<sup>۵۰</sup> بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو  
 طاعت میں تاسے نہ سے وانگیں کی لاگ دونخ میں ڈال دو کوئی لیکر بشت کو  
 ہوں مخرف نہ کیوں رہ ورم ثواب سے ٹیڑھا لگا ہے قسط تلم سر وشت کو  
 غالب کچھ اپنی سعی سے تنہا نہیں مجھے  
 غرمن چلے اگر نہ رخ کھائے کشت کو

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ  
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا ہے دل پہ بانقش محبت ہی کیوں نہ  
 ہے جھکو تجھ سے تذکرہ غمیر کا گلہ ہر چند برسبیل شکایت ہی کیوں نہ  
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا یوں ہو تو چارہ غم اُلفت ہی کیوں نہ  
 ڈالانہ سیکسی نے کسی سے معاملہ اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ  
 ہے آدمی بجائے خود اداک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ  
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے انفصال حاصل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں نہ  
 دارستگی بہانہ بیگانگی نہیں اپنے سے کرنے غیرے وحشت ہی کیوں نہ  
 پتا ہے فوت فرصت ہستی کا غنیمت کم ہیں عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ  
 اُس فتنہ خو کے دے اب ٹٹے نیل اسد اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ

میں ہوں گرا چھا بچھا غمیں سے نینوں کو  
 نہیں گہم ہی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے  
 نہ نکلا آنکھ سے تیرے اک آنسو اس احتی  
 خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کش میں  
 ابھی ہم قتل گمہ کا دیکھنا آساں نہ تھے میں  
 ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بنے کا  
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار بار آئے  
 وفاداری بشرط استواری چل ایساں ہے  
 شہادت تھی مری قسمتیں دی تھی یہ جو مجھ کو  
 نہ لٹا دن کو تو کہے است کو یوں بے خبر ہوتا  
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جواہر کے  
 مرا ہونا بڑا کیا ہے تو اس بجان کشن کو  
 زدی جوتی خدایا آرزو سے دوست دشمن کو  
 کیا سینہ جس نے جو نچکاں مڑگان زن کو  
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دہن کو  
 نہیں دیکھنا دے جو سے خونیں تیسے توں کو  
 کیا بیتاب کاں میں جنش جو ہر تھے تہن کو  
 بھٹھا ہونک دھونڈے ہے ابھی سے برق خنک  
 مئے بُت خانہ میں تو کہیں گا روبرو زمین کو  
 جہاں تلوار کو دیکھا مجھ کا دیتا تھا گردن کو  
 رہا لکھنا نہ چوری کا وعدا دیتا ہوں سہن کو  
 جگر کیا ہم نہیں کھتے کہ کھو دیں جاکے مدن کو  
 مہرے شاہ میاں جاہ سے نسبت نہیں لیتا

فریدون چہم کو خیر و داراب و بہن کو

و سوتا ہوں حبیبیں پیئے کو اس تین کے پاؤ  
 رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤ  
 دی سادگی سے جان پردن کو کہن کے پاؤ  
 ہیما ت کیوں نہ ٹوٹ گئے سپیرن کے پاؤ



۵۹  
 بھائے تھے ہم بہت سوئی کی نسل ہے یہ ہو کر اسیر دابھتیں راہزن کے پاتو  
 مر دم کی جستجو میں پھل ہوں جو دور دور تن سے سوانگاریاں خستہ تن کے پاتو  
 اللہ سے ذوقِ دشتِ نوردی کہ بعد مرگ ہلتے ہیں خود بخود مرے اندکفن کے پاتو  
 ہے جو شگل بہا میں یہاں تک کہ ہر طرف اڑتے ہوئے اُبھتے ہیں مرغِ بہن کے پاتو  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں دیکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازکین کے پاتو  
 غالب مے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو

پتیا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاتو  
 دامنِ اسکوہول دل ہے تو بیاں میں شرمسار یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ  
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچھیر سے نہ ہو

دامنِ پنچھیر جو غمِ شل آ پائے ہم ہے ہم کو صدرہ آہنگِ زمیں بوس قدم ہے ہم کو  
 دل کو یوں در مجھے دلِ محوِ وفار کھتا ہے کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو  
 ضعف سے نقش پئے ہوئے طوقِ گردن تیرے کوچے کہاں قناتِ رم ہے ہم کو  
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو یہ جگہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو  
 رشکِ ہم طرحی و درِ داثرِ باگِ حزیں نالہ مرغِ سحر تیغِ دودم ہے ہم کو

سراڑا نے کے جو وعدہ کو مکر چپا ہا ۲۰ ہنس کے بولے تھے سر کی قسم ہے ہم کو  
 دل کے فوں کرنے کی کیا وجہ و لیکن ناچار پاس بے رونقی دیدہ اہسم ہے ہم کو  
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کھتے ہو ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو  
 لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یہی ن ہوں سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو  
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر غزم سیر بخفت و طوف حرم ہے ہم کو  
 لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جاوہ رہ کشش کا کرم ہے ہم کو

تم جانو تم کو غیر ہے جو رسم دراہ ہو بھکھو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
 بچے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے قاتل اگر قریب ہے تو تم کو اہ ہو  
 کیا وہ بھی بگینہ کش و حق تاشناس میں ماتا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو  
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُنکے ایک تار مڑتا ہوں میں کہ یہ نہ کیسی کی گاہ ہو  
 جب میکہ پھٹا تو پیرا بکیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو  
 تھے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دست لیکن خدا کے وہ تراجلوہ گاہ ہو

غالب بھی گنہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دنیا ہو یا رب اور مر ابادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفت گو تو کیونکر ہو " کسے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو  
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہی نام وصال لگ کر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے حیا ہے اور یہی گوشت گو تو کیونکر ہو  
 تم ہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی خود تو کیونکر ہو  
 اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیونکر ہو  
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو  
 ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو  
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں سلی کا نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو  
 بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر مجھ کو قرار یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جُنوں نہیں غالب دے بقولِ حضور

فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

کسی کو دیکھ دل کوئی نوا بن نہاں کیوں ہو نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر زمین بل کیوں  
 وہ اپنی خود نہ چھوڑے غم اپنی وضع کیونکر نہیں نہ کہ سر پہ لیا پوچھیں کہ ہم سے گراں کیوں  
 کیا غمخوار نے سوا لگے آگ اس محبت کو نہ لاوے تاجِ غم کی وہ سیلارِ ازاں کیوں ہو  
 دکانیسی کہاں کا عشق جب سر بھوڑا ٹھہرا تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگِ تال کیوں ہو

قفس میں مجھے دوا دین کتے نہ ڈر ہم  
 گری ہے چپکل کلی وہ یہ آئیاں کیوں ہو  
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پریت لاؤ  
 کہ بے دل میں تھی تم ہو تو آنکھوں سے کیوں ہو  
 غلط ہے جذبے کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے  
 نہ کچھ گزرتا ہے کوئی کش دریاں کیوں ہو  
 ریت نہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے  
 ہوئے تم دوست جبکہ انکا دشمن آسمان کیوں ہو  
 یہی ہے آزمائش تو سنا ناکس کو کہتے ہیں  
 عدو کے ہو لئے جب تم کو میرا سماں کیوں ہو  
 کما تم نے کہ کیوں نہیں کے طے میں سوائی  
 بجا کہتے ہو جگ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طغیوں سے تو خلیب

ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں

رہے اب ایسی جا چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو  
 بے درو دیوار الگ گھر بنا چاہتے  
 کوئی ہمایہ نہ ہو اور پاسبان کوئی نہ ہو  
 پڑیے گریباں تو کوئی نہ ہو بیمار دار  
 اور اگر مر جائیے تو نوخو خاں کوئی نہ ہو  
 از مہر تاجہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ  
 طوطی کو شش بہت سے مقابل ہے آئینہ  
 ہے ہنرہ زار ہر درو دیوار ہر قسم کہہ  
 جس کی ہمار یہ ہو پھر اس کی خزان پوچھ  
 ناچار میکسی کی بھی حسرت اٹھائیے  
 دشواری رہ و ستم ہر ہاں نہ پوچھ  
 شبِ جمال میں ہنس گیا ہے بن تکیہ  
 ہوا ہے موجب آرم جان و تن تکیہ

خزان باد شیریں کی کون انگوٹ آج <sup>۳۳</sup> کہ بن گیا ہے غم جہد پر شکن تیکہ  
 بنابے تختہ گل ہائے یاسیں بستر ہوا ہے دستہ نسرن و نترن تیکہ  
 فروغِ حُسن سے دُشمن ہے خواجہ تہام جو رفت خواب پر دین تو پر ن تیکہ  
 مزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا رکھے جو چیمیں وہ شیخِ سیم تن تیکہ  
 اگرچہ تھایہ ارادہ مگر حسد کا شکر اٹھا سکا نہ زنا کتے گلبدن تیکہ  
 ہوا ہے کاشکے چادر کو ناگمان غائب اگرچہ زانوئے نعل پر رکھے دمن تیکہ  
 بضر بے تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا کہ ضربِ تیشہ پر رکھا تھا کوکن تیکہ  
 یہ رات بھر کلچے گا صبح ہونے تک رکھو نہ شیخ پر اے اہلِ انجمن تیکہ  
 اگرچہ پھینک یا تم نے دور سے لیکن اٹھائے کیونکہ یہ رنجور خستہ تن تیکہ  
 غش آگیا جو پس از قتل میسے قاتل کو ہوئی پھر اُسکو مری نعرش بے لکھن تیکہ  
 شبِ فراق میں خیال ہے اذیت کا کرنا پ فرسے اوزار پکا ہے تیکہ  
 ردو رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ تحیہ کلام اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن تیکہ

ہم اور تم فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں

فقیرِ غالب کیس کا ہے کن تیکہ

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا آسمان سے بادہ گلفام مگر برس کرے

میں شتاق جفا مجھ پہ جفا اور سی ۶۴ تم ہو بیدار میں خوش اس ہو اور سی  
 غیر کے مرگ کا غم کس لئے غیر تباہ میں ہوں پیشہ بہت نہ ہو اور سی  
 تم ہو بہت پھر تمہیں پندار خدا کیوں ہے تم خداوندی کہلاؤ خدا اور سی  
 کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے و غظ غلہ بھی باغ ہے خیر آب دہو اور سی  
 محکومہ و دوا کہ جسے کھانے نہ پانی مانگوں زہر کچھ اور سی آب بہت اور سی  
 تیرے کوچہ کا ہے نائل دل مضطرب کعبہ اک اور سی قبلہ نما اور سی  
 حسن میں خور سے بڑھ کر نہیں ہے نیک کبھی آپ کا شیوہ و انداز واد اور سی  
 یکوٹ فرد کی دوزخ میں لائیں یا رب سیر کے واسطے تھوڑی ہی فضا اور سی

مجھ سے غلبہ یعلانی نے غزل لکھوائی

ایک بیدا گر رنج منہ زور سی

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے  
 ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق یعنی ہنوز منت طعناں اٹھائیے  
 دیوار بار منت مزدور سے ہے غم اے فائناں خراب نہ احساں اٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو سوا نہ کیجئے

یا پر نہ تبسم نہ ہاں اٹھائیے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے <sup>۹۵</sup> بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہئے  
 عاشق ہوئے ہیں آپ ہی الٰہ شخص <sup>۹۶</sup> آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہئے  
 دے داد لے فلک ل حسرت پیر کی ہاں کچھ نہ کچھ تلانی مافات چاہئے  
 یکے میں مہ رخوں کیلئے ہم مہوئی تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے  
 مے سے غرض نشاط ہے کس دیاہ کو اک گونہ بخودی مجھے دن ات چاہئے  
 ہے رنگ اللہ و گل نسریں جدا حب ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے  
 سراپائے خم پہ چاہئے ہنگام بخودی روسوے قبلہ وقت مناجات چاہئے  
 نیچی بحسب گردش پیمانہ صفات عارف ہمیشہ مست ہے ذات چاہئے

نشو و نما ہے اہل سے غالب فرغ کو

خاموشی ہی سے نکلے ہے جواب چاہئے

بساطِ عجز نہیں تھا ایک لکھ قطرہ خون نہ بھی سورتا ہے بانڈا زنجیریں سرنگوں وہ بھی  
 ہے اُس شخص سے آزر وہ ہم چندے تکلفے تکلفِ بطن تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی  
 خیالِ مرگ کس بکیر ل آزر وہ کوئے منٹے مے دامِ تنائیں شاہک صغیر بوں وہ بھی  
 نہ کرتا کاش نالہ بھلکویا مسوم تھا ہم ک ہوگا باعثِ افزائش دردِ دروں وہ بھی  
 نہ اتنا بڑبش تیغِ جفا پر ناز نہ راؤ مے دریائے نیابی میں ہے اک مہِ خون وہ بھی

مے عشرت کی خواہش ساجی کر دوسے کیا کہے ” لئے دنیا ہے اک دُچار جامِ دائر گول بھی

مے دل زینِ غالبِ شوقِ صیلِ نیکوہ ہجر

خدا وہ دن کہے جو اس یقین بھی کوں بھی

بہت سی غم گئی شرب کم کیا ہے غلامِ ساقی کو ترہوں مچھو غم کیا ہے

قریب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے تہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کئے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کھلا دے کوئی بناؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکامِ طالع مولود کے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا خدا کے واسطے ایسے کہ پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دیہ گراں مایہ سٹہ ہے ہم و گرنہ ہیلیمانِ حسابِ ہم کیا ہے

سجن میں خاندانِ غالب کی آتشِ افشانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں کیا ہے

اسنے مَہِیَی الضُّر کہا ہے تو سی یہ جی یا حضرت ایوب گلاسے تو سی

بجِ غلات سے سوا ہونہیوں کیونکر ذہن میں خوبی تسلیم و فدا ہے تو سی

ہے غنیمت کہ باسید گور جائیگی عمر نہ فی داد و گور جز اسے تو سی

دوست گر کوئی نہیں ہے چکر چارہ گری نہ سہی ایک تنہا سے دوا ہے تو سی



غیر سے دیکھے کیا خوب بجائی اُس نے " نہ سہی ہم سے پُرس بُت میں فاس ہے تو ہی  
 نقل کرتا ہوں اُسے نامہ اُمال میں یہ کچھ نہ کچھ روزِ ازل تنے لکھا ہے تو ہی  
 کبھی آجائے گی کیوں کہتے ہو جلدی غالب  
 شہرہ تیزی شمشیرِ قضا ہے تو ہی

ہے بزمِ تباہی میں سخن آزرہ لبوں سے تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے  
 ہے دورِ قح و جہ پریشانیِ منسا یکبار لگا دو خم نے میرے لبوں سے  
 زندانِ درمیکہ گستاخ ہیں زاہد ز نثار نہ ہوا طرف ان ادبوں سے  
 بیدا و وفادیکچہ کہ حسابی تری آہ

ہر چند مری جان کو تھرا ربطِ لبوں سے  
 تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا مَن لیتے ہیں گو ذکرِ ہمارا نہیں کرنے  
 غالب ترا احوالِ منادینگے ہم اُن کو!  
 وہ مَن کے بلالیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا وہ جو کہتے تھے ہم اُن حسرتِ تعمیر ہے  
 غمِ دنیا سے گرا بی بھی فرصتِ سر اٹھانے کی فلک کا دیکھنا تقریبِ تیرے یاد آنے کی  
 کئے گا کس طرح مضموں کے مکتوب کا یا رب قسم کھاتی ہے اُس کا فرنے کا غد کے جلنے کی

لپٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے <sup>۹۹</sup> وئے شکل ہے حکمت دل میں زغم چپانے کی  
 انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آتا تھا اٹھے تھے سیر گل کو دکھتے شوخی بنانے کی  
 ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرزا تر آنا نہ تھا ظالم مگر تہسید جانے کی  
 لکڑیوں کے حادث کا تحمل کر نہیں سکتی مری طاقت کہ ذرا سہی تو جس کے باز اٹھانے کی

کوں کیا خوبی اوضاعِ انبائے اعلیٰ

بذی کی اُس نے جس سے ہمنے کی تھی بار بار نیکی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ لے آرزو خرامی دل چوڑا کر میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی  
 اُس شمع کی طرح ہے جس کو کوئی بجھاوے

میں بھی جلتے ہوں میں نیاں داغِ ناتمامی

لیا تنگ ہم تہم زد گاں کا جہان ہے جس میں کہ ایک بھینٹ ہو رہا آسمان ہے  
 ہے کائنات کو حرکت تیسے ذوق سے پر تو سے آفتاب کے فے میں جان ہے  
 حالانکہ ہے یہ بلی خارا سے لالہ رنگ غافل کو میرے شیشہ پیمے کا گمان ہے  
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے  
 کیا خوب تم نے غیر کو بوس نہیں دیا بس چپ ہو ہائے بھنی نین بان ہے  
 بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یا مریں فرمانروائے کشورِ ہندوستان سے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے ہٹا دیا <sup>۶۹</sup> کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے باسے اعتماد و فاداری اس قدر

غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہ ران ہے

دوست میرے ہے تھکوتیاری لئے لئے کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری لئے لئے

تیرے دل میں گزرتا آشوب غم کا حوصلہ تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہ کاری لئے لئے

کیوں مری غوارِ گی کا تھکوا آیا تھا خیال دشمنی اپنی تھی میری دوستداری لئے لئے

عمر بھر کا تو نے پیمانہ وفا باندھا تو کیا عمر کو بھی تو نہیں ہے پاداری لئے لئے

زہر لگتی ہے مجھے آٹھوا سے زندگی یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری لئے لئے

گلفشانی ہاسے نازِ حب لوہ کو کیا ہو گیا خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری لئے لئے

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا تھا خاک میں ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری لئے لئے

خاک میں ناموس پیمانِ محبت مل گئے اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری لئے لئے

ہاتھی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری لئے لئے

کس طرح کاٹے کوئی شب لئے تارِ برکال ہے نظر خود کردہ اختر شماری لئے لئے

گوشِ مجبورِ پیام و چشمِ محرومِ جمال ایک دل سپر یہ ناامیدواری ہائے لئے لئے

عشق نے پکڑا تھا غالب ابھی حشت کا رنگ رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری لئے لئے

گشتگی میں عالمِ ہستی سے پاس ہے "تسکین کو بے نوید کہ مرنے کی آس ہے  
 لیٹا نہیں مے دل آوارہ کی خبر اب تک ہوتا ہے کہ سیر ہی پاس ہے  
 کیجے بیاں سرورِ غم کہاں تملک ہر سو مگر بدن پر زبان پاس ہے  
 ہے وہ غرورِ جن سے بیگانہ وفا ہر خندا کے پاس دل حق شناس ہے  
 پی جس قدر ملے شہتابیں شراب اس لعلی خزان کو گری ہی اس ہے  
 ہر اک مکان کو ہے کیس سے شرفِ آسند

مجنوں جو مگر کیا ہے تو جنگلِ اُداس ہے

گر خاموشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے خوش ہوں کہ سیری بات سمجھنا محال ہے  
 کس کو نساؤں حسرتِ انظار کا بگلہ دل فردِ جمع و خرقِ زباں بے لال ہے  
 کس پردہ میں ہے آئینہ پر دازاے خدا رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے  
 ہے خدا خواستہ وہ اور دشمنی اے شوقِ نفعل یہ تجھے کیا خیال ہے  
 شکلیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان نافِ زمین ہے نہ کنا فِ غزال ہے  
 وحشتِ پیری عرصہ آفاق تنگ تھا دریا زمین کو عسریٰ انفصال ہے

ہستی کے متِ فریب میں آجایو ہست

عالمِ تمام حلقہ دامنِ خیال ہے

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھو دو کہ پوچھو  
 حذر کرو مکے ٹل سے کلاس میں لگ بی ہے  
 دلا یہ درد عالم بھی تو مستم ہے کہ آخر  
 نہ گریہ سحری ہے نہ آؤ نیم شبی ہے  
 امام ظاہر و باطن ایہ صورت و مہنی  
 علی ولی اسد اللہ جانشین نبی ہے  
 ایک جا حریف و فالکھا تھا سو بھی مرٹ گیا  
 ظاہر کا غدر ترے خط کا غلط بردار ہے  
 جی جلع ذوق فنا کی نامائی پر نہ کیوں؟  
 ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آفتاب ہے  
 آگ سے پانی میں بجتے وقت اٹھتی جڑا  
 ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے ناپا ہے  
 ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود غدر خواہ  
 جس کے جلوہ ہے زیر تا آسمان شاربے  
 مجھے سے مت کہ تو ہمیں کتا تھا اپنی زندگی  
 زندگی سے بھی مزاحی ان نوں تیزا ہے  
 آنکھ کی تصویر سنا سہ پھینچی ہے کہ تا

تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

بین میں گنتے ہیں کوچہ سے وہ میسے  
 کندھائی کماؤں کو بدلے نہیں دیتے  
 مرنی ہستی فضا سے حیرت آباد تمنا ہے  
 جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غمنا ہے  
 خزاں کیا فصل بٹل کہتے ہیں کوئی موسم ہو  
 وہی ہم ہیں نفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے  
 وفاتے و لبریں ہے اتفاقی ورنہ سہ ہم!  
 اثر فریاد و دل ہائے خریک کس کو بچا ہے  
 نہ لالی شوخی اندیشہ تاب رخ نو میدی  
 کھن افسوس ملنا عمدہ تجدید تمنا ہے

رحمِ ظالم کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے <sup>۲۲</sup> نبضِ بیمارِ وفا و دودِ چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے بین رکھتی ہے ہیں

ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

چشمِ خوابِ خامشی میں بھی نوا پر داز ہے سرِ سرہ تو کہو کہ دودِ شمشاد آواز ہے

پیکرِ شاقِ سازِ طائرِ ناساز ہے نالہ گویا گردشِ ستارہ کی آواز ہے

دستِ گاہِ دیدہ خونبارِ مجنوں دیکھنا

یک بیا بیاں جلوہ گلِ فرشِ پا انداز ہے

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی اے وہ مجلس میں خلوت ہی سہی

ہم ہی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگئی گز نہیں غفلت ہی سہی

عمرِ چنید کہ ہے برقِ حلام دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک و ترک کرتے ہیں نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ نا انصاف آہ و فریاد کی خصیت ہی سہی

ہم بھی تپیم کی خود ایں گے<sup>۴۳</sup> بے نیازی تری عادت ہی ہی

یار سے چھڑ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہی

ہے آرزیدگی میں کوہش بجا مجھے صبح وطن ہے خندہ ونداں مجھے

دھوڑے ہے اُس معنی آتش فکری جس کی صدا ہو جلوہ برق فضا مجھے

مبتلائے کڑوں ہوں رہ وادی خیال تاباں گشت سے نہ رہے نڈا مجھے

کرتا ہے بیکر بارغ میں تو بے جایاں آنے لگی ہے بکھرت گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی یہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے سوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اشک سے گزری عجب ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ حصار کھتے تھے

اُس زمیں میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے بیٹھا ہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

دل ہی تو ہے سیارستِ برباں سے ڈر گیا میں اور جاؤں سے تیرے بن صدا کئے

رکھتا پھڑپھڑ ہوں خرقہ و جادہ رہن گئے مدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کئے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گریہِ غمِ خضر حضرت بھی کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھیں کہ اے تپیم تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کئے

کس روز تبتیں نہ ترا شکستے عدو "کس دن ہائے سر پہ نہ آئے چلا کئے  
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی کہیں یہ خو دینے لگا ہے بوسہ بنیہ التبا کئے  
 ضد کی ہے اور بات مگر تو بڑی میں بھولے سے اس نے مینکڑوں سے ڈھکائے  
 غالب نہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
 مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

رقبا عسر قطع رہ اضطراب ہے اس نال کے حساب کو برق آقا ہے  
 مینا کے مے ہے سرو نشاط بہار سے بال تدرج بلوہ موہن شراب ہے  
 زحمتی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا لے بھاگنے کی گوں نہ قمارت کی تا ہے  
 جاداد بادہ نوشی رنداں شے شہت غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے  
 نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا جوش بہار جلوہ کو جس کی نقاب ہے  
 میں نامراد دل کی تسنی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رخ سے جگمگے کامیاب ہے

گزارا است در سرت پیغام یار سے

قاصد پہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شکلا جائے ہے میں نے دیکھوں بھلا کہ مجھے دیکھا جائے ہے  
 ہاتھ دھو دل سے ہی گرمی گرا نہ دیش میں ہے اب گیتہ تندی صبا سے کچھ لا جائے ہے



غیر کو یارب وہ کیونکر من گستاخی کرے<sup>۵۵</sup> گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرم جاتے ہے  
 شوق کو یہ لیت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبر جائے ہے  
 دودھ چم بہتری چشم طرب سے واہ واہ نغمہ ہو جاتا ہے اس گزالہ سیرا جاتے ہے  
 گرچہ ہے طرز تغافل پر وہ دابر راہِ عشق پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جاتے ہے  
 اُسکی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور پیاں مثل نقشِ مدامت غیر بیٹھا جاتے ہے  
 ہو کے عاشق وہ پری منج اوزناؤں بن گیا رنگ کھلتا جاتے ہے جتنا کہڑا جاتے ہے  
 نقش کو اس کے حضور پر بھی کیا کیا ناز میں کھینچتا ہے جتنی رانسا ہی کھینچتا جاتے ہے  
 سایہ میرا مجھ سے شل دودھ بھاگے ہے اسد

پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہر جائے ہے

گرم فریاد رکھائیںکھل نہالی نے مجھے تب اماں جبر میں دی بردلیالی نے مجھے  
 نہ یہ نقد دو عالم کی حقیقت معلوم لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے  
 کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری دم کر دیا کافران اصنام خیالی نے مجھے  
 ہوں گھل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا

عجب آرام دیا ہے پر دہالی نے مجھے

کار کا ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے برقی خرم راحت خون گرم دہقان ہے

فقیہہ شافعیہ ابرگ عافیت معلوم<sup>۴۹</sup> باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے  
 ہم سے بچ بیتابی کس طرح اٹھایا جاتے  
 داغ پرشت دست عبرت شعلہ خشن نماں ہے

اُگ ہے درو دیوار سے بزمہ غالب ہم بایاں میں ہیں اور گھر میں تبارائی ہے  
 سادگی پراس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے بس نہیں ملتا کہ بچہ خیر کف قاتل میں ہے  
 دیکھتا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی سبے دل میں ہے  
 گرچہ ہے کہ کس کی الٹی سے ملے بایں ہم ذکر میرا اٹھ سے بہتر ہے کذاں محفل میں ہے  
 بس جو ہم نا اُمیدی خاک میں مل جائیگی یہ جو کہ لذت ہماری مٹی بے حال میں ہے  
 بچ رہے کیوں کھینچے داماندگی کو عشق ہے اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے  
 جلوہ زار آتش و دوزخ ہمارا دل سہی فتنہ شور قیامت کس کے آئینے گل میں ہے

ہے دل شوریدہ غالب طلسم بیچ و تاب

رحم کر اپنی تشا پر کہ کس شکل میں ہے

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی دونوں کو اک ادا میں ضامنہ کر گئی  
 شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذت فراق تکلیف پرودہ داری زخم جگر گئی  
 وہ بادہ شبانہ کی سرستیاں کہاں؟ اٹھیے بلبل کہ لذت خواب سحر گئی

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کئے یاسیں      بلے اب لے ہوا ہوس بال و پر گئی  
 دیکھو تو دلفریبی انداز نقشب پالا      موجِ خرام یا ربی کیا گل کتر گئی  
 ہر نوا ہوس نے خُن پرستی شہسار کی      اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی  
 نظارہ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا      مستی سے ہر جگہ تے مرنے پکھ گئی  
 فرداؤدی کا نقش تو یکجا برٹ گیا      کل تم گئے کہ ہم یہ قیامت گزرتی  
 مارا زمانہ نے اسدا لقمہ جاں نہیں

وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

تنکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے      حورانِ خلدیں تری صورت مگر ملے  
 اپنی گلی میں بھکونہ کر دین بجہ قتل      میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے  
 ساتی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم      ہر شب پیاہی کرتے ہیں سحرِ قدر ملے  
 تجھے کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم      میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے  
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا      فرصت کشائیں غمِ پناہ سے گر ملے  
 لازم نہیں کہ حضری ہم پیروی کریں      جانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا

تم کو کہیں جو غالب آشفۃ سر ملے

۵۱۳۸۷



کوئی دن گزندگانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟ سوزِ غمہائے نہانی اور ہے  
 بار بار دیکھی میں اُن کی بخشش! پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے  
 دیکھئے خطِ منہ دکھیتا ہے نامدبر کچھ تو بیعتِ ہم زبانی اور ہے  
 قاطع اعمار ہیں اکثرِ نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے  
 ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام  
 ایک مرگ ناگسائی اور ہے

کوئی اُسیرِ برہنیں آتی کوئی صورتِ نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ منہ اب کسی بات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی  
 کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آوازِ گرنہیں آتی  
 داغِ دل گز نظر نہیں آتا ہو بھی اسے چہرہ گرنہیں آتی  
 ہم وہاں ہیں ہمارے ہکو بھی کچھ ہماری خیر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی "موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب

شرم تک کو مگر نہیں آتی!

دلِ ناداں بچے ہوا کیا ہے؟ آہزاس درد کی دعا کیا ہے؟

ہم ہیں شقائق اور وہ سینڑا یا الہی یہ ماحبر کیا ہے؟

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزدہ عشوہ واد کیا ہے؟

شکر زلفِ سنبری کیوں ہے؟ بکجہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چسپاز ہے ہوا کیا ہے؟

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

ہاں بھلا کہ ترا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے؟

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مُصنعت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

۱۷۱  
 ۱۷۲  
 ۱۷۳  
 ۱۷۴  
 ۱۷۵  
 ۱۷۶  
 ۱۷۷  
 ۱۷۸  
 ۱۷۹  
 ۱۸۰  
 ۱۸۱  
 ۱۸۲  
 ۱۸۳  
 ۱۸۴  
 ۱۸۵  
 ۱۸۶  
 ۱۸۷  
 ۱۸۸  
 ۱۸۹  
 ۱۹۰  
 ۱۹۱  
 ۱۹۲  
 ۱۹۳  
 ۱۹۴  
 ۱۹۵  
 ۱۹۶  
 ۱۹۷  
 ۱۹۸  
 ۱۹۹  
 ۲۰۰

کہتے تو ہم سب کہرت غالبہ ہو آئے  
 ہوں کشمکش رخ میں اں جذب محبت  
 ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم  
 ظاہر ہے کہ گیسرا کے نہ بھاگیں گے کھیرن  
 جلا دے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے  
 اں اہل طلب کون سے طعنے لیا یافت  
 اپنا نہیں یہ شیعہ کہ آرام سے ٹھہریں  
 کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر  
 اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب  
 ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کوڑے آئے

پھر کچھ پاک دل کو بقراری ہے  
 پھر جگر کھودنے لگا ناخن  
 قبلہ مقصد نگاہ نیاز  
 چشم دلال جس رسوائی  
 وہی صد رنگ نالہ فرسائی  
 دل ہوا سے خرام ناز سے پھر  
 سینہ جو یاسے زخم کاری ہے  
 اسمد فضل لالہ کاری ہے  
 پھر وہی پردہ عساری ہے  
 دل خریدار و ذوق خواری ہے  
 وہی صد گونہ شکباری ہے  
 منتشر تان بیتاری ہے

descenting  
from faith in  
the comes of sense  
in death

جلوہ پھر عین ناز کرتا ہے <sup>۸۱</sup> روبرو بازار جاں سپاری ہے  
پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے  
پھر کھلا ہے در عدالت تراز <sup>۸۲</sup> گرم بازار فوج باری ہے  
ہو رہا ہے جہان میں حیر زلف کی پھر شہ توداری ہے  
پھر دیا پارہ حبر گرنے سوال ایک فریاد آہ وزاری ہے  
پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب اشک باری کا حکم جاری ہے  
دل دھڑکاں کا جو مت دم تھا آج پھر اس کی دیکھاری ہے

نہ بخودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جنوں تمت کیں تنگیں نوگرش دامانی کی نک پاش غرائش لہ لذت ندگانی کی  
کشکش لئے ہستی کے کرے کیا سعی آزادی ہوئی زنجیر موج آب کو فصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیا نگاہ بظلال ہے

شرار رنگ نے تربت پیری گھٹائی کی

نکوش ہے سزا فریادی بیداد دہر کی مبادا خندہ دندان نما ہوج محشر کی  
رگ لیلی کو خاکِ شبت مجنوں ریشگی بخشے اگر بون بجائے داندہ حقان نوک نشتر کی

پر پروانہ شاید باد بانگِ شتی سے تھا <sup>۸۲</sup> ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی  
 کروں بیدار ذوقِ پرقتانی عرض کیا قدرت کدھات اُنکئی اُٹنے سے پہلے سیرِ شہر کی  
 کہاں تک روڈوں کے خمیہ کے چھپے قیاس ہے

مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوانہ کی

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اُتنے ہی کم ہوئے  
 پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیان کے اُٹنے نہ پاتے تھے کہ گرفتِ راحم ہوئے  
 ہستی ہماری اپنی فنا پر لبس ہے یاں تک منے کہ آپ ہی ابھی قسم ہوئے  
 سخی کُشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر! وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے  
 تیری وفا سے کیا ہوتا فانی کہ دھیریں تیرے سوا بھی ہم یہ بہت سے تھے ہوئے  
 لکھے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں ہر خنڈِ اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے  
 اللہ رے تیری تندیِ خو جس کے بیم سے اجڑائے نالِ دل میں مے رزقِ حق ہوئے  
 اہل ہوس کی نعت ہے ترکِ نبردِ عشق جو پاؤں اُٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے  
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے جو ان نہ کچھ سکے سو وہ یاں کے کرم ہوئے

حمد چھوڑی اسد نہ ہم نے کدائی میں لگی

سائل ہوئے تو عاشقِ اہل کرم ہوئے



جو نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی <sup>۸۲</sup> تو فیرگی نہاں ہے بہ کین بے زبانی  
مجھے اُس سے کیا توقع بہ زمستانہ جوانی کبھی کو دکھی ہیں جس نے نہ سنی مری کہانی  
یونہی دکھی کسی کو دنیا نہیں خوب ورنہ کہتا

کہ مرے غم کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کہہ میں میرے غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیل سحر و جوش ہے  
نہ مرثوہ وصال نہ نظارہ جمال بُدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے  
مے نے کیا ہے جن خود آرا کو بے حجاب اسے شوق ہاں اجازت تسلیم و جوش ہے  
گوہر کو عقد گر دن خواب میں دیکھنا کیا اون پر ستارہ گوہر فروش ہے  
دیدار بارہ حوصلہ ساقی نگاہ مست بزم خیال میکدہ بے خروش ہے  
اسے تازہ واردانِ بباط ہوائے دل ق زہن را گر تمہیں ہوں نئے فروش ہے  
دیکھو مجھے جو دیدہ عبت رنگاہ ہو میری سنو جو گوش نصیحت و جوش ہے  
ساقی جلوہ دشمن ایساں و آگئی سطر بے نغمہ رہن گین و جوش ہے  
یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بباط دامن باغبان و کھن کلفروش ہے  
لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صدائے چنگ یجنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے  
یا صبح دم جو دیکھے اگر تو بزم میں نے وہ سرور و سوز نہ جوش و جوش ہے

دربغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی <sup>۴۴</sup> اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی نموش ہے  
 آتے ہیں غیب سے یہ ضامیں خیال میں  
 غالبِ حریرِ خامہ نواتے سروش ہے

اک مری جان کو قرار نہیں ہے طاقتِ بیدارِ انتظار نہیں ہے  
 دیتے ہیں جنتِ حیاتِ دہر کے بلے نشہ باندا زہِ خسار نہیں ہے  
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے جلوہ ہائے کس نے یہ اختیار نہیں ہے  
 ہم سے بحث ہے گمانِ بخشِ خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
 دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی غیر گلِ آئینہ بہار نہیں ہے  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد ہائے داسے اگر عہدِ استوار نہیں ہے

تو نے قسم کھنی کی کھائی ہے غالب

تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے کہ تارِ دامنِ زمانہ نظر میں فرقِ مشکل ہے  
 رونے زخم سے طلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی بھیجیوت کہ پاس دے دیوانہ غافل ہے  
 وہ گلِ جنت میں جلوہ فرمائی کرے لعلِ لب  
 چمکنا غنچہ و گل کا صدائے خندہ دل ہے

۸۵  
 پایہ دامن ہو رہا ہوں بیکیں صحرا نورد  
 دیکھنا حالتِ مئے دل کی ہم آغوشی کے وقت  
 خارِ پاپا ہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے  
 ہے نگاہِ آشتیا سے اس پر ہو مجھے

ہوں سراپا سازِ اہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ

ہے ہی ہستہ لگوں میں نہ چھپے تو مجھے

جس بزمِ مینقِ نانے گفتار میں آوے	جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے
سایہ کی طرح ساتھ پھریں سر و صنوبر	تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے
تب نازِ گراں مانگی عشقِ تجب ہے	جب سخت جگر دیدہ خونبار میں آوے
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر	کچھ تھکواں بھی مرے آزار میں آوے
اُس چشمِ فسونجھ کا اگر پاس اشارہ	طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یاز	اک آبلہ پاوا دی پر خار میں آوے
مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب تنِ نازک	آغوشِ حشمِ حلقہ زنا میں آوے
نارنگِ زاموس نہ ہو گر ہوس ز ر!	کیوں شاہِ گلِ بارغ سے باز میں آوے
تب چاکِ گریباں کا مزا ہے لال لال	جب اک نفس اُکھا ہوا ہمار میں آوے
آتشکدہ ہے سینہ مرارِ ازناں سے	اے وائے اگر مرضِ اظہار میں آوے
گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھے	جو لفظِ غالبِ مئے اشعار میں آوے

حُسن نہ گرچہ ہنگامِ کمال اچھا ہے اُس سے میرا سرِ غورِ شیعہ بالِ تچا ہے  
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر خطہ نگاہ جی میں کہتے ہیں کہ مُفت کئے تو ال تچا ہے  
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغرِ جم سے مرا جامِ مغالِ تچا ہے  
 بے طلب دیں تو مزا اس میں ہوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو غصے سوالِ تچا ہے  
 دیکھتے پاتے ہیں مُشا ق توں سے کیا فیض اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سالِ تچا ہے  
 اُن کے دیکھے سے جوا جاتی ہے رونقِ مُند پر وہ سمجھتے ہیں کہ تیار کا حالِ تچا ہے  
 ہم سخنِ تیشہ نے فرما دیکو شیریں سے کیا جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمالِ تچا ہے  
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے کام اچھا ہے وہ جب کا کہ مالِ تچا ہے  
 خضرِ سلطان کو رکھے خالقِ اکبر سرِ سبز شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہالِ تچا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیالِ تچا ہے

نہ ہوئی گرمے مرنے سے تسلی نہی استھاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سی  
 خارِ خارِ المِ حسرت دیدار تو ہے شوقِ گلچیںِ گلستانِ تسلی نہ سی  
 مے پر تاں خُمے مرنے سے لگنے ہی بنی ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساتی نہی  
 نفقہ نہیں کہ ہے چشمِ دچراں صوا گر نہیں شمعِ یہ خانہِ تسلی نہ سی

ایک ہنگامہ پہنچو تو فہم کی ریت  
نہ سانس کی تباہی صدمہ کی پروا  
نوحہ غم ہی سہی نشت لڑی نہ سہی  
گر نہیں ہیں مئے شہادیں مٹی نہ سہی

عشرت محبتِ خواہاں ہی غنیمت سمجھو!

نہ ہوئی غالب اگر عطرِ طبیعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاو کے چلے ہیں ہم آگے کہ اپنے سایہ سے سراؤں سے ہر دھم آگے  
فضل نے تباہ مجھے چاہا خراب بادۂ الفت فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے  
غم زمانہ نے مجھاری نشاطِ عشق کی سستی و گرنہ ہم ہی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے  
خدا کے واسطے داد اس جزبہ شوق کی دینا کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نہ رہے ہم آگے  
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی میں نے تہاے آیو اسے طرہ ہائے غمِ جزم آگے  
دل و جگر میں پراشتاں جو ایک موجبِ خوئے ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے لکڑی آگے

قسمِ نیاز سے پانے کی سیے کھاتے ہیں لہجہ

ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوہ کے نام سے بے مزہ تھا ہوتا ہے یہ بھی مت کہہ کہ جو کہنے تو گلا ہوتا ہے  
پڑہوں میں شکوہ سے دن اک جیسے باجہ اک ذرا چھیرے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے  
گو سمجھتا نہیں چرخِ سن تلافی دیکھو! شکوہ جو رے سرگرم جفت ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخِ ملکوب کی چال  
سست رویے کوئی آبد پا ہوتا ہے  
کیوں نہ ٹھہریں ہن ناوک بیدا کہ ہم  
آپ اٹھلاتے ہیں گریہ خطا ہوتا ہے  
خوب تما پیلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ  
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے  
نالہ جاتا تھا پر سے عرش سے میرا اور اب  
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے  
خاصہ میرا کہ وہ ہے بارِ بد بزمِ سخن  
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے  
اسے شہنشاہ کو اکب سپہ و مہرِ علم  
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
سات اقلیم کا حاصل جو نہ راہم کیجے  
تو وہ لشکر کا ترے نسلِ بہا ہوتا ہے  
ہر مہینہ میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے بلال  
آساں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے  
میں جو گستاخ ہوں آئینِ غرغزانی میں  
یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ فرا ہوتا ہے  
رکیو غالب مجھے اس تغزوانی میناف

آج کچھ دردِ میرے دل میں بوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے  
تمہی کہو! کہ یہ اندازِ گفت گو کیا ہے  
نہ شہد میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا  
کوئی تاؤ کہ وہ شوخِ شبنم کو کیا ہے  
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم جن تم سے  
وگر نہ خوب بد آموزیِ عد کیا ہے  
چپک رہا ہے بدن پر اس سے پیسا رہن  
ہماری جیب کو اب حاجتِ تو کیا ہے

۹۹  
 اے جسمِ جاں دل بھی جہل گیا ہو گا !  
 کڑیدے ہو جواب را کہ جس تو کیا ہے  
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
 جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر لو کیا ہے  
 وہ چیز جس کے لئے ہم کو بو بہشت عزیز  
 سوائے بادۂ کلفت ہم مشک بو کیا ہے  
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار  
 یہ شیشہِ وقار و کوزہِ دس بو کیا ہے  
 رہی نہ طاقتِ گفتِ راد اگر ہو بھی  
 تو کس امید پہ کیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا صاحبِ پیر ہے اترا تا

وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

میں انہیں چہیزوں اور کچھ نہ کہیں  
 چل نکلتے جوئے پتے ہوتے  
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو  
 کاشکے تم مرے لیے ہوتے  
 میری قسمت میں غم گرا تنا تھا  
 دل بھی یار بکئی دیے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب

کوئی دن اور بھی جسے ہوتے

غیر لبِ نفل میں بوسے حجام کے  
 ہم رہیں یوں تشنہ لبِ پیغام کے  
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ  
 ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے  
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہو  
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

۹۰  
 رات پنی زخیم پرے اور صبح دم دھوئے دجے تہا سہ احرام کے  
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر یہ بھی حلقے ہیں تہا سہ دم کے  
 شاہ کی ہے غل صحت کی خبر دیکھئے کب دن پھرں حمام کے  
 عشق نے غالبِ نکتا کر دیا!

ورنہ ہسم بھی آدمی تھے کام کے  
 پھر اس انداز سے ہمارائی کہ ہوتے ہر دمہ تاشائی  
 دیکھو اسے سالن بن خطہ خاک! اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے ستر ستر رُکشِ سطحِ سپرِخِ مینائی  
 سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کائی  
 سبزہ و گل کے دیکھئے کیلئے چشمِ نرگس کو دی ہے مینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادِ مینائی  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہِ دیندار نے شفا پائی  
 تعافلِ دوست ہوں میرا دماغِ غرِ عالی ہے اگر ہلوتی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے  
 رہا آبا دعا لم ابل بہت کے نہونے سے بھرے ہیں جس قدر جامِ دہو تہا خالی ہے



کب وہ سنتا ہے کہانی میری <sup>۹۱</sup> اور پھر وہ بھی زبانی میری  
 خلش غمزہ خونریز پوچھ دیکھ خونناہ نشانی میری  
 کیا بیاں کر کے ہمارے گیارے مگر آشفٹ بیانی میری  
 ہوں زخود رفتہ بیدار خیال بھول جانا ہے نشانی میری  
 متقابل ہے مقابل میرا زک گیا دیکھ روانی میری  
 قدر سنگ ہر وہ کہتے ہوں سخت ارزاں ہے گرائی میری  
 گردِ باور و بیتابی ہوں ضرر شوق ہے بانی میری  
 دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی میچپدانی میری

کردیا ضعف نے عاجز غالب

ننگ پیری ہے جوانی میری

نقشِ نازبت طنازِ باغوشِ رقیب پاسے طاؤس ہے حنا مانی مانگے  
 تودہ بدخو کہ تمسیر کو تماشا جانے غم وہ افسانہ کہ آشفستہ بیانی مانگے  
 وہ تپ عشقِ تنہا ہے کہ پھر صورتِ شمع  
 شعلہ تابن جن جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بکے خوش آئی ہے ہر غنچہ کا گل ہونا آغوشِ کُشانی ہے

۴۰  
واں کنگر ہتھن ہر دم ہے مبتدی پر ”یاں نالہ کو اور اُن دعوائے رسائی ہے

از پیکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے

جو دانِ نظر آیا اک چشم نہائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تب سیرِ رنوی لکھدی بھو یا رب اُسے قسمت میں عُدو کی

اچھا ہے سر انگشتِ حسالی کا تصور دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لُٹو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے چوگی سے یاں تو کوئی سُنتا نہیں سنا دیکھو کی

دشمن نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو جگر کو خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صدِ حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب

حسرت میں ہے ایک بُتِ عربہ جو کی

سیما بپُشتِ گرمی آئینہ لے کہ ہم حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بیقرار کے

آغوشِ گل کشودہ برائے دواں ہے

اے عندلیب چل کہ پہلے دن بہار کے

میں وصل و جبرِ المِکین و ضبط میں مستوقِ شوقِ عاشقِ دیوانہ چاہئے

اُس لب سے لہجہ جانیگا بوسہ کبھی تو ہاں

شوقِ فصول و جراتِ رندانہ چاہئے

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے <sup>۹۲</sup> یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے  
 صحبتِ رنماں سے واجبِ حذر جاتے مے اپنے کو کھینچا چاہئے  
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل بائے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے  
 پاکِ مت کر حیب بے ایامِ گل کچھ ادھر کا بھی اشار چاہئے  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوٹا چاہئے  
 دشمنی نے میری لکھو یا غمِ سر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے  
 اپنی رُسوائی میں کیا چسپتی ہے سی یار ہی ہنگامہ آرا چاہئے  
 منحصر مرنے پر جوں کی اُمید نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہئے  
 غافلِ ان مصلحتوں کے واسطے چاہئے والا بھی اچھا چاہئے

چاہتے ہیں خبر دیوں کو اسل

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

ہر قدمِ دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے میری رفتار سے جاگے ہے باباں مجھ سے  
 درسِ عنوانِ تسانا بتنا غفلِ خوشتر ہے نگہِ رشتہ شیرازہِ مخرگاں مجھ سے  
 دشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں صورتِ دُورِ ہا سایہِ گریزاں مجھ سے  
 غمِ عشاق نہ ہو سادگیِ آموزِ بُستاں کس قدر خانہِ اُمید نہ ہے دیراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جبادہ صحرائے جنوں صورتِ رشتہ گوہر ہے چراغِ افاں مجھ سے  
 بیخودی بستہ تہیدِ فراغت ہو جو پُرسے سایہ کی طح میرا شہناں مجھ سے  
 شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردنِ مائے ہونگمہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے  
 بیکسی اے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے  
 گردشِ ساغرِ مدِ جلوہ نگیں تجھ سے آئینہ داری یک دیدہ چیل مجھ سے  
 نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اس

ہے چراغِ افاں خس و خاشاکِ گستاں مجھ سے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُسکونائے شب نے کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
 میں بلاتا تو ہوں اُس کو گمراہے جذبِ دل اُس پہن جٹائے کچھ ایسی کہ بن آتے نہ بنے  
 کیل سمجھا ہے کہیں چھوڑنے بھول نہ جائے کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے  
 غیر بھرتا ہے لئے یوں تے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے  
 اس نزاکت کا بُرا ہودہ بھلے ہیں تو کیا ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے  
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کی ہے پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کٹھنائے نہ بنے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے غم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بٹائے نہ بنے  
 بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غلبہ!  
کہ لگائے نہ لگے اور بچھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر دشتِ بھریائی کرے      صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے  
جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گریجے خیال      دیدہ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے  
ہے شکست سے بھی دل نوید یارب کب تک      آہگیسنہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے  
میکدہ گر خیمِ مست ناز سے پائے شکست      بے شیشہ دیدہ سائے کی مڑگانی کرے  
خطِ عارض سے لکھائے لہن کو اُلفت نہ ہند

یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تکیںِ مضطرب تو دے      نئے تجھے پیشِ دلِ مجالِ خواب تو دے  
کرے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رو دینا      تری طرح کوئی تیغِ ننگہ کو آب تو دے  
دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کرہم کو      نہ دے جو بوتہِ منہ سے کہیں جواب تو دے  
پلائے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے      پیالہ گر نہیں دیتا نہ بے شراب تو دے  
اسمِ خوشی سے مئے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جب بس نے ذرا میرے پاؤں اُٹھے

تپش سے میری وقتِ کشمکش ہوتا بستر ہے      مرا سرِ بچہ بالیں ہے مزانِ بار بستر ہے

سرشکب سرسبز اودادہ نور العین دامن ہے      ذل بے دست دیا افتادہ بر خور دایرِ بستر ہے  
 خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو      فردِ شمعِ بایں طالعِ بیدارِ بستر ہے  
 بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی      شبابِ آفتابِ صبحِ مشترکِ بستر ہے  
 ابھی آتی ہے بوبالش سے لگی زلفِ شکلیں کی      ہماری دید کو خوابِ زلیخا عابرِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یارِ غائب

کہ بیٹائی سے ہر اک تارِ بسترِ غارِ بستر ہے

خطر ہے رشِ الفت رگ گردن نہ ہو جائے      غورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب

اگر گلِ سرو کی ناست پہ سپرِ اہن ہو جا

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے      نالہ پا بند نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغبان تو بے      گربانِ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے      پر تجھ ہی کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی      ہر چند کہیں کہ ہے "تین" ہے

شادی سے گزار کہ غم نہ ہو دے      اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

کیوں مرقہِ قدرِ کرے ہے زاہد      مے ہے یہ گس کی تے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اسے نہیں ہے

نہ پونچھ مرہم جراحتِ دل کا! کہ اس میں ریزہ اس کا جڑ و اکھم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیسے پیدا کی

وہ ایک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں نگران کی تمنا نہیں کرتے

دیر پردہ آنہیں غیر سے ہے ربطِ نسائی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے

غالب کو برا کہتے ہوا چہا نہیں کرتے

کرتے بے بادہ سے لبِ کسبِ بگِ فروغ خطِ پیالہ سراسر نگاہِ نگہیں ہے

کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

بجائے گزشتہ نالہ ہائے بلبلِ زار کہ گوشِ گلِ خمِ شبنم سے پنہ آگئیں ہے

اسد ہے نزع میں چلے وہ فابرائے خدا

مقامِ ترکِ حجابِ دوداعِ تمکین ہے

کیوں نہ تو چشمِ بے تاملِ محوِ تامل کیوں نہ ہو یعنی اس بیمار کو نظر رہے پرہیز ہے

مرتے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی <sup>۹۸</sup> داسے ناکامی کہ اُس کا فرکانہ خیر تیز ہے

عارضہ گُل دیکھ روئے یار یاد آیا السد

جوشِ نعلِ بہاری اشتیاقِ آئینہ ہے

دیباہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہتے ہوا رقیب تو ہونا نہ رہے کیا کہتے

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن ہے قضاے شکوہ میں کفر ہے کیا کہتے

ہے ہے یوں گہو بے گہ کہ کوئے دستِ کباب اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہتے

زہے کرشمہ کہ یوں نے رکھا ہے ہم کو فریب کہ بن کہے بھی انہیں سب خبر ہے کیا کہتے

سمجھ کے کرتے ہیں باز ایں وہ پریش حال کہ یہ کہے کہ سرِ مرگزر ہے کیا کہتے

تمہیں نہیں ہے سرِ رشتہ وفا کا خیال ہائے ہمت میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہتے

انہیں سوال پر زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہتے

حسدِ سزائے کمالِ سخن ہے کیا کہتے ستمِ ہائے متاعِ ہنس رہے کیا کہتے

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کہتے

دیکھو در پردہ گرم دامنِ افشانی مجھے لگتی وابستہ تن میری عروبانِ مجھے

بنگیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فداں مرحبا میں کیا مبارک ہے گراغابی مجھے



کیوں نہ ہوے اتفاقی اُس کی خاطر جمع ہے جاتا ہے محو پر شہائے پہنائی مجھے  
 میرے غمخانا کی قسمت جب رقم ہونے لگی لکھنا ہنجلہ اسباب ویرانی مجھے  
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے اس قدر ذوقِ نواسے مرغِ بستانی مجھے  
 واسے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا لے گیا تھا گو میں ذوقِ تن آسانی مجھے  
 وعدہ آنے کا دنا کیجے یہ کیا انداز ہے تھے کیوں سوچی ہے میرے رُک کی بانی مجھے  
 ہاں نشاطِ آنکھیں باری واہ واہ پھر ہوا ہے تازہ سودا سے غمخوئی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالبِ یوسفانی مجھے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے سچا ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے  
 ہے کناؤدِ خاطرِ وابستہ و رزمینِ سخن تھا ظہمِ تغزلِ ابجدِ حنائی مجھے  
 یارب اس اشتغالی کی داد کس سے چاہئے رشکِ آسائش پہ ہے زندہ نوکی مجھے  
 طبع ہے شائقِ لذت ہائے حسرت کیا کر لیا آرزو سے ہے شکستِ آرزو طلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے مانعِ ریز صاحب مجھے

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آرائش ہے چین میں خوشِ نوایانِ چین کی آرائش ہے

قد و گدو میں قیس و کوکبن کی آزمائش ہے <sup>۱۰۰</sup>  
 کرینگے کوکبن کے حوصلہ کا استحاں آحر  
 نسیم مصر کو کیا پیر غصاں کی ہوا خواہی  
 اُسے یوسف کی بٹے پیر بن کی آزمائش ہے  
 وہ آیا زم میں دیکھو نہ کہینو پھر کہ غافل تھے  
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے  
 رہے دل میں ہی تیرا تجا جگر کے پار ہو بہتر  
 غرض شست بٹ ناوک ننگن کی آزمائش ہے  
 نہیں کچھ سجد و زنا کے پھندے میں گیرانی  
 وفاداری میں شیخ و برہن کی آزمائش ہے  
 پڑا رہے دل دابستہ بتابی سے کیا مائل  
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے  
 رگ دپس میں جباتے نہ غم تب کیجیے کیا ہو  
 ابھی تو لمحی کام و دہن کی آزمائش ہے  
 وہ آئینکے مے گھر و نہہ کیسا دیکھنا غالب

نئے فتنوں میں اب حج کنن کی آزمائش ہے

کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گر آجائے ہے مجھے  
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرم جائے ہے مجھے  
 خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر اٹھی ہے  
 کہ قتا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھے  
 وہ بدخوا و ریریری داستان عشق طولانی  
 عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھے  
 اُدھر وہ بدگمانی ہے اور میری ناتوانی ہے  
 نہ پوچھا جاتے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھے  
 سنبھلے دے مجھے لے نا اسیدی کیا تیا مرستی  
 کہ دامن خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی ہنسی سیکن<sup>۱۱</sup> وہ دیکھا جائے کب ظلم دیکھا جائے ہے مجھے  
 ہوتے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی نہ جھاگا جائے ہے مجھے نہ ٹھہرایا ہے مجھے

قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہمسفر غالب

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھے

زبکہ عشق تماشا جنوں علامت ہے کشادہ دست مژدہ سیلی ندامت ہے

نہ جانوں کیونکہ ٹٹے داغ طعن بدعہدی تجھ کہ آئینہ بھی درطہ علامت ہے

بہ پہنچ و تاب ہوس ملک طافیت مت توڑ نگاہ عجب ز سر رشته سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد

جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

لاغر آتنا ہوں کہ گرتو بزم میں جاؤں مجھے میرا ذمہ دیکھ کر کوئی بتلاؤں مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم و ان تملک کوئی کسی حیلے سے پہنچاؤں مجھے

منہ نہ دکھلاؤں نہ دکھلاؤں پر بہ انداز عتاب کھلو کر پردہ ذرا آنکھیں ہی کھلاؤں مجھے

یاں تملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہیں

زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھاؤں مجھے

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اور نگاہیاں مرکزِ نزدیک <sup>۱۲</sup> اک بات ہے اعجازِ مہیا مرے آگے  
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہ نہیں ہستیِ انبیا مرے آگے  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے گھستا ہے جہیں خاکِ پیامبرے آگے  
 مست پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تھے تھے تو دیکھ لکھ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
 جاکتے ہو خود بین و خود لاپرواہ کیوں ہیں بیٹھا ہے بُتِ آئینہ یہاں مرے آگے  
 پھر دیکھئے اندازِ کلِ انسانی گفتار رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبائے آگے  
 نفرت کا گمان گزرتے ہیں شگ گزرا کیونکر کون لو نام نہ انکا مرے آگے  
 ایساں مجھے روکے ہے کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے  
 عاشق ہوں مہِ شوقِ فیری ہے مرا کام مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے  
 خوش ہوتے ہیں پر وِ دل میں نہیں جاتے آئی شبِ ہجران کی تمنا مرے آگے  
 ہے موجزن اک تلزمِ غل کا ش ہی ہو آتا ہے ابھی دیکھے کیا کیا مرے آگے  
 گویا تھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا

غالب کے بُرا کیوں کہوا چھا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہتے تمہی کہو کہ جو تمہوں کہو تو کیسے کہتے

۱۰۲  
 نہ کہ تو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگم میں مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہتے  
 وہ بیشتر سی پر دل میں جب تر جا کے نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہتے  
 نہیں ذریعہ راحت جراح پکیاں وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کہتے  
 جو نہ ہی بے اُس کے نہ ہی بنیہ جزا سزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہتے  
 کہیں حقیقت جا نہ کا ہی مرض لکھے کہیں مصیبت ناسازی دوا کہتے  
 کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے کبھی حکایت صبر گر یز پا کہتے  
 رہے نہ جان تو قاتل کو خون نہا دیجے کسے زبان تو خنجر کو مر جا کہتے  
 نہیں بگاڑ کو الفت نہ ہو بگاڑ تو ہے روانی روکش رستی ادا کہتے  
 نہیں بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے طراوت چمن و خوبی ہوا کہتے

سفینہ جب کہ کنا سے پہا آگاہا لب

خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہتے

رونے سے اور عشق میں بیاک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہیں پاک ہو گئے  
 صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی تھے یہی دو حساب میوں پاک ہو گئے  
 روائے دہر کو ہونے آوارگی سے ہم بائے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
 کہنا ہے کون نالہ لبیل کو بے اثر پرے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا جو دوسم اہل شوق کا! <sup>۱۰۴</sup> آپ اپنی آگ سے نس و غنا شک ہو گئے  
 کرنے گئے تھے اسے تغافل کا ہم گلد کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 اس رنگ سے اُنسانی گل اُسے لاس کی نش  
 دشمن ہی جس کو بیچھ کے غنا شک ہو گئے

نشہ ہاں شاداب ہنک ساز ہاں سب طرب شینے سے سرب و سبز جہاں بزمِ غم ہے  
 ہم نشیں مت کہہ کہہ ہم کر نہ بزمِ پیش دوست  
 واں تو میرے مالہ کو بھی اعتبار ہے

عرضِ نازِ شوقی دنیاں برائے خندہ ہے دعوتِ جمعیتِ احباب جاے خندہ ہے  
 ہے ہم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجب ہم گل یک جہاں زانو تا مل در قفائے خندہ ہے  
 کلفتِ افسردگی کو ہمیشہ بیانی حرام ورنہ دنیاں و در دل افسردن بکے خندہ ہے  
 شورشِ باطل کے ہیں احباب نکر و نہیاں  
 دل محیطِ گرید لب آشنائے خندہ ہے

حسنِ بے پردہ خریدارِ ستارِ جلوہ ہے آئینہ زانوتِ نگارِ اخترِ جلوہ ہے  
 تاکجا اسے آگئی رنگِ تماشا باحسن  
 چشمِ و اگر دیدہ آغوشِ وداع جلوہ ہے

۱۵  
 بے تک دہان زخم نہ پیداکرے کوئی  
 مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی  
 عالم غبار و حشت مجنوں ہے سرسبز  
 کب تک خیال طرہ لیلا کرے کوئی  
 افسردگی نہیں طرب انشاء التفات  
 ہاں در دین کے دل میں مگر جا کرے کوئی  
 رونے سے لے ندیم! ملاست نہ کر مجھے  
 آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی  
 چاکر جگہ سے جبے پسش نہ واہوئی  
 کیا نائدہ کہ عیب کو سوا کرے کوئی  
 محنت جگہ سے ہے کج ہنار شاخ گل  
 تا چند باغبانی صحرارے کوئی  
 ناکامی بنگاہ ہے برقی نظارہ سوز  
 تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی  
 ہر رنگ خشت ہے صدون گوشت پرست  
 نقصان نہیں جنوں سے جو ڈاکرے کوئی  
 سر پہوئی نہ وعدہ صبر آرمائے عمر  
 فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی  
 ہے وحشت طبعیت ایجاد یاس خیز  
 یہ درودہ نہیں ہے جو پیداکرے کوئی  
 بیکار ہی جنوں کو ہے سر پیچ کا شغل  
 جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حُسنِ فرغِ شمعِ سخن دُور ہے اسد

پہلے دل گداخت پیداکرے کوئی

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی  
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
 شرع و آئین پر مدار سہی  
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کان کا تیر <sup>۱۰۶</sup> دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
 بات پرواں زبان کشتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی  
 نہ سناؤ گر بُرا کہے کوئی! نہ کہو گر برا کرے کوئی  
 روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی  
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند؟ کس کی حاجت روا کرے کوئی  
 کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے مہربا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلا کرے کوئی؟

باغ پا کر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہے مجھے  
 جو ہر تیغ پہ سر چشمہ دیکر معلوم میں وہ سبز ہوں کہ ہاں بگاتا ہے مجھے  
 مدعا محو تماشا ہے شکستِ دل ہے آئینہ خانے میں کوئی لے جاتا ہے مجھے  
 نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفِ خاک آسمان بیضہ قبری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے

دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے



روندی ہوئی ہے کوئی شہزادہ کی <sup>۱۰۴</sup> اتنا ہے کیوں نہ خاک سیر رہ گزار کی  
جب اُسکے دیکھنے کیلئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرگشتاں کے ہم ملے  
کیونچہ نہ کھائے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خوشیوں کی خواہش پر دم نہ کئے بہت نکلے مے ارمان لیکن پھر بھی کم نہ کئے  
ڈسے کیوں سیرِ قاتل کیا رہ گیا اگلی گردن پر وہ نوحہ چشمِ تیرے عمر بھر یوں دہم نہ کئے  
نکلتا غلہ سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نہ کئے  
بہم کھل جائے ظالم تیری تاست کی درازی کا اگر اس طرہ پر پہنچ و سنم کا بچ و خم نہ کئے  
مگر لکھوائے کوئی اُسکو خط تو ہم سے لکھوائے ہوئی صبح اور گھر سے کان پر کھٹکے قلم نہ کئے  
ہوئی اس درد میں منسوب مجھ سے بادہ آشنائی پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جا ہم جم نہ کئے  
ہوئی بن سے توقعِ خستگی کی داد پانے کی وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیج ستم نہ کئے  
مجنبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریب دم نہ کئے  
خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ کا اُٹھ اوعظ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کا فرض نہ کئے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اعظ

پر امتا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نہ کئے

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گرسدا ہو جائیے  
 بے تکلف لے شرابِ حبستہ کیا ہو جائیے  
 بیضہ آساننگ بال و پر ہے یہ کینہِ نفس  
 از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے  
 مستی بذوقِ غفلت ساتی ہلاک ہے  
 مویں شرابِ یک مزہ خوابِ ناکست  
 ہرزخِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو  
 حبیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے پاکست

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نیلِ سدا

صحرا ہمارے آنکھ میں کیمیتِ خاک ہے

لبِ عیسٰی کی جنبش کرتی ہے گوارہِ صبائی  
 قیامت کشتہ اعلیٰ تباہ کا خواب نکلیں ہے  
 آمدِ سیلابِ طوفانِ صدا سے آب ہے  
 نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے اٹھ جی مادی ہے  
 بزمِ مے وحشت کو پہنچنے کی چشمِ مست کا؟

شیشہ میں جن پر پی پہاں ہے تنہا ہوتے

ہوں میں بھی تماشائی میرِ رنگِ تنہا

سیاحتی جیسے گرجا دے دمِ تحریر کا غدا ہے

مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہاںِ حیران کی

ہجومِ نالہ حیرتِ عاجزِ عرضِ یکِ لغات ہے  
 خموشیِ ریشہِ مہیتاں سے خشِ مدناں ہے

تکلفِ برطرف ہے جاںِ تاتِ لطفِ بخیال  
 نگاہِ بے حجابِ نازِ تیغِ تیزِ عسراں ہے

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی <sup>۱۰۹</sup> کہ صبح عیدِ مجھ کو بد تر از چاکِ گریاں ہے  
 دل و دین نقدِ لاساقی سے گرسودا کیا چاہے کہ اس بازار میں ساغرِ ستابع دستِ گرداں ہے

غمِ آغوشِ بلا میں پرورش دیا ہے عاشق کو

چراغِ روشن اپنا قلمِ صرصر کا مر جاں ہے

خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے نگاہِ دل سے تھے سرمہ سا نکلتی ہے  
 نشترِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچہ کے پرے میں مان نکلتی ہے  
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ

کہ زخمِ روزِ ن در سے ہوا نکلتی ہے

جس جانبِ شامِ شایہ کشِ زلفِ یاس ہے نافہ و مانجِ آج سے دشتِ تباہ ہے  
 کس کا سرانجِ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا آئینہٴ فرخِ ششِ جہتِ انتظار ہے  
 ہے ذرہٴ ذرہٴ تنگی جا سے غبارِ شوق گرام یہ ہے دعوتِ صحرانکا ہے  
 دلِ مدعیِ دودیدہ ہنسا عا علیہ نظارہ کا مقدمہٴ پھر رو بجا ہے  
 چھوڑ کے شبنم آئینہٴ برگِ گل پہ آب اے غنہٴ لیبِ وقتِ وداعِ بہا ہے  
 پچا آپڑی ہے وعدہٴ ولدار کی مجھے وہاں آئے ہیں انتظار ہے  
 بے پردہ سے داوی مجھوں گزرنے کو ہر ذرہ کے نقاب میں مل بیقرار ہے

اے عنذلیب یک کفِ خس بہرِ آثیاں <sup>۱۰۰</sup> طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے  
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیرِ سہی اے بے دماغِ آئینہِ مثالِ ار ہے  
 غفلتِ کفیلِ عمر و اسدِ صفا من نشاط  
 اے مرگ! ہاگماں بچھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ نہا نکلیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ کا کہیں جسے  
 حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں ٹھہرے نگاہِ سوید اکہیں جسے  
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں بخدا انہوں انتظارت کہیں جسے  
 سر پہ جو دم در و غریب سے ڈالنے دو ایک مشتِ خاک کہ صحر اکہیں جسے  
 ہے چشمِ تریں حسرت دیدار سے نہاں شوقِ غماں گسیختہ دریا کہیں جسے  
 درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو صبحِ بہار پہنچے مینا کہیں جسے  
 غالبِ بُرا نہ مان جو داغِ بڑا کہے

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

شبِ نیمِ بگلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے دایِ دلِ بیدار و نظرِ گاہِ حیا ہے  
 دلِ خوں شدہ کٹکٹشِ حسرتِ دیدار آئینہِ بدستِ بدستِ خراب ہے  
 شعلہ سے نہ ہوتی ہوں شعلہ نے جو کی جی کس قدر افسردگیِ دلِ پہلا ہے

تمثالِ تیری ہے وہ شوقی کہ بھڑون<sup>۱۱۱</sup> آئینہ باندا زنگ آغوشِ کُنا ہے  
 قسری کھنکھاسِ لبِ لبیلِ تنسِ رنگ اے نالِ انسانِ گجرِ غوث کیا ہے  
 خونِ تری انسِ وہ کیا جشتِ دل کو معشوقِ دبے حوصلگیِ طرہِ بلا ہے  
 مجبوریِ دو عواسے گرفتاریِ الفت دستِ تیرے نگ آمدِ پیمانِ وفا ہے  
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ تیغِ ستمِ آسیہِ تصویرِ بنا ہے  
 اسے پرتوِ خورشیدِ جانا تابِ ادھر بھی سایہ کی طرح ہم یہ عجبتِ پُرا ہے  
 ناکر وہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگیِ خلق سے بے دل نہ ہو غالب

کوئی نہیں تیرا تو مری جانِ خدا ہے

منظورِ تھی یہ شکلِ تجلی کو نور کی قسمت کھلی تھے قد و رخ سے ظہور کی  
 اک خوشچکائِ کفن میں کروڑوں بنا دیں پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ جور کی  
 واعظ نہ تم پیونہ کسی کو پلاس کو کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی  
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کی کوٹھالی گویا بھی سنی نہیں آوازِ صور کی  
 آمدِ بہار کی ہے جو طبل ہے غنمہِ سنج اڑتی سی اک خبر ہے زبانیِ طیو کی  
 گوداں نہیں تو واں کے نکالے ہئے توں کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبتِ دُور کی

کیا فرض ہے کہ سب کچھ ایک سا جزا۔ " آؤ نہ ہم بھی یہ سر کریں کوہ طور کی  
گرمی ہی کلام میں لیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اُسے شکایت ضرور کی

غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لیے چلیں

جج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے مجھے کلفام بہت ہے  
کتے بہت ساتی سے جایا آتی ہے ورنہ ہے یوں کہ مجھے ذرہ تو بہ جام بہت ہے  
نئے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کہیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے  
کیا زہد کو انوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی یاد ایش عسل کی طبع حرام بہت ہے  
ہیں اہل خرد کس روش خاص پہنازاں پابستگی رسم و رسم عام بہت ہے  
زمزم ہی پہ چھوڑ دو مجھے کیا طوف حرم سے آلودہ بے جا نہ احرام بہت ہے  
ہے قہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے  
خوں ہو کے جگڑا نکھ سے پکانیں لے مرگ رہنے لے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بہ نام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے جو شمسِ قدس سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر بگر سخت سخت کو<sup>۱۱۳</sup> عرصہ ہوا ہے دعوت مرزا گاہ کئے ہوئے  
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے  
 پھر گریہ نالہ ہائے شہر بار ہے نفس نڈت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے  
 پھر پریش جرات دل کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے  
 پھر بھر رہا ہوں خانہ مرزا گاہ بون ل ساز چمن طرازی داماں کئے ہوئے  
 باہر گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر قریب نظارہ و خیال کا سا ماں کئے ہوئے  
 دل پھر طواف کوئے طامست کو جٹے ہے پندار کا صم کدہ ویراں کئے ہوئے  
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب عرض متابع عقل دل و جاں کئے ہوئے  
 دوڑے ہے پھر ہر ایک نعل و لالہ پر خیال صد گلستاں نگاہ کا سا ماں کئے ہوئے  
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کو لکھنا جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے  
 مانگے ہے پھر کسی کو لب باہم پر ہوس زلف سیاہ منہ پہ پریشاں کئے ہوئے  
 چاہے ہے پھر کسی کو محبت بل میں آرزو سر نہ سے تیز دشنہ مرزا گاہ کئے ہوئے  
 اک نوبہ زنا کو تاکہ ہے پھر نگاہ چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے  
 پھر حوی میں ہے کہ در پہ کسی کے پٹے رہیں سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے  
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہیں تصویر جاں کئے ہوئے

غالب ہیں نہ چمکے کہ پھر جوشِ اشک سے  
بیٹھے ہیں ہم تہ تیغ طوفاں کے ہوئے

نواہن میں بے بیدار دوست جاں کیلئے رہے نہ طرزِ تم کوئی آسماں کیلئے  
جلائے گرمزہ یا ترشہ خوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ پنجکوں کیلئے  
وہ زندہ ہمیں کہیں شناسِ خلق لے خضر نہ تم کہ چربے عجبِ اوداں کیلئے  
ربا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک جلائے جاں ہے ادا تیر لی کیا جاں کیلئے  
فلک نہ دور کر کہ اُس سے مجھے کیوں ہی نہیں دراز دستی قاتل کے آتھماں کیلئے  
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر کہے نفس میں فراخ چمنِ اشیاں کیلئے  
گدا سمجھ کے وہ چپ تمام ہی چوسا سقا اٹھا اور اٹک کے قدم میرے پا سواں کیلئے  
بقدرِ شوق نہیں ظرافتِ تنگنائے غزل کچھ اور چاہئے دعوتِ مریاں کیلئے  
دیسا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیشِ تھلِ حسینِ حسن کیلئے  
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے فطرت نے بوسے مری باں کیلئے  
نصیرِ دولت و دیں ازمینِ ذلت و ملک بنا ہے تہیٰ بریں جس کے آستان کیلئے  
زمانہ عہد میں اُس کے ہے نورِ آتش بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے  
ورق تمام ہوا اور مسدح باقی ہے سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کیلئے



ادائے خاص سے غالب ہوا ہے حکمہ مر

جملائے عام ہے یارانِ محنتِ دال کیلئے

قطعا

اُنجا اُن گولہ سا جو میں کچھ بوزِ دشت میں      پھر آئیہ سرگبر گیا تھا جی بیاباں سے  
نظر آیا مجھے اک طائرِ محبِ رنج پر بستہ      چمکتا تھا سرِ شوریہ دیوارِ گستاں سے  
کہا میں نے کہ ادنا کام آخرِ ماجرا کیا ہے      پڑا ہے کامِ تجھ کو کس مگر آفتِ دباں سے  
ہنساکچھ کھل کھلا کر ہیل پھر تجھ کو جو چھپا نا      تو یوں دیا کہ جوئے خوں ہی لپوٹک دلاں سے  
کہا میں صید ہوں اُسکا کہ جسکے دامِ گیتوں      پہنسا کرتے ہیں طائرِ روزِ کارِ بغِ غواں سے  
اُسی کی زلف و منج کا دسیاں ہے نامِ سحرِ محکو      نہ مطلبِ کفر سے ہے نہ کچھ کامِ ایاں سے

بچشمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا

کہ بل کر ہو گیا تھا خاکِ اپنی آہِ سوزاں سے

ہاں اُسے نفیس بادِ سحرِ شد فشاں ہو      اُسے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو

اُسے زمرِ نہ شمشِ لبِ پستی پُنعناں ہو      اُسے ماتمیانِ شبِ غمِ مومِ کمال ہو

گجڑی ہے بہت بات بنائے نہیں سبقتی

اب گھر کو بغیرِ آگ لگائے نہیں سبقتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو " ماتم میں شبِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو  
گھر بچھونکنے میں اپنے محال نہیں ہم کو گر چرخ بھی چل جائے تو پردا نہیں ہم کو

یہ خرگہ نہ پایہ جو مدت سے پایا ہے

کیا خیمہ شبیر سے رتبہ میں رہا ہے؟

کچھ اور ہی عالم ہے دل چشمِ وزباں کا کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے جہاں کا  
کیسا فلک اور مسرِ جہاں تاب کہاں کا ہو گا دل بیتاب کسی سخت جہاں کا

اب ساعقہ و مسر میں کچھ فرق نہیں ہے

گر تائیں اس رو سے کو برق نہیں ہے

### قصیدہ

سازیک ذرہ نہیں فیضِ جہن سے بیکار سایہ الازبے داغِ سودا اے بہار  
مستی بادِ صبا سے ہے بمرضِ سبزہ ریزہ شیشہ سے جو مسرتِ کھسار  
سبز ہے جامِ زمرہ کی طرح داغِ پگنگ تازہ ہے ریشہ نابخِ صفتِ رے شرار  
مستی ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا شمار  
کوہِ صحرا ہمہ سموری شوقِ لب لبال راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار  
سوچنے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ مہم سبز و شبنم دو جہاں ابر بیکِ سطرِ غبار

کلاٹ کر چھینکے ناخن تو بانداز بلال " قوتِ امید اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار  
 کتب ہر خاک جگر دہل شدہ قمری پُراز دامِ ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار  
 میکرے میں ہوا آرزوئے گلِ چینی بھول جا یک تدبیر بادہ بھائی گلزار  
 موجِ گلِ دھونڈ بھلاؤ تکرار غنچہ بارغ گم کرے گوشہ میخانہ میں گرتو دستار  
 کھینچے گراہی اندیشہ تمن کی تصویر سبز مثلِ خطِ نو خیز ہو خطِ پرکار  
 لعل سے کی ہے پے زمزمہ، حبتِ شاہ طوطی سبزہ کسار نے سپیدِ منتار  
 وہ ہمنشاہ کہ جس کی ہے تعمیرِ سرا چشمِ جبریل بونی قالبِ بخت دیوار  
 فلکِ العرشِ نجومِ چشمِ دوشِ مزدور رشتہ فیضِ ازل سازِ طبیبِ معمار  
 سبزہ نہ بین ویکِ خطِ پشتِ لبِ بام رعبِ ہمتِ صد عارف ویکِ لوحِ حصا  
 واں کی ناشاک ہے حاملِ ہو جے یک پرکھ وہ رہے مروجہ ہاں پری سے بیزار  
 خاکِ صحرائے بخت جو ہر سیرِ برفِ چشمِ نقشِ قدم آئینہ بختِ بیدار  
 ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار  
 آفریقہ کو دہاں سے طلبِ بستی ناز عرضِ خمیازہ ایجاب ہے ہر موجِ غبار

### مطلع ثانی

فیض سے تیسے ہے اسے شمعِ شبتان بہا دہل پر دانہ چراغاں پلِ بسمل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز<sup>۱۱۸</sup>      ذوق میں جلوہ کے تیرے بہ ہوائے دیدار  
 تیری اولاد کے غم سے ہے پروا گردوں      سلک اختر میں میرے نو مشرکہ گوہر بار  
 ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر ساز      ہم ریاضت کو تھے جو صلہ سے استغفار  
 مدت میں تیری نہاں نغمہ نعت نبی      جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار  
 جو ہر دست دعا آئینہ بینی تاثیر      ایک طرف نازش مژگان و دگر غم غما  
 مردِ مک سے جو غزا خانہ اقبال نگاہ      خاکِ دو کی ترے جو چشم نہ ہوا آئینہ آ  
 دشمن آلِ نبی کو یہ طرب خانہ دہر      عرض خمیازہ سیداب ہو طاقِ یو

دیدہ تامل اسد آئینہ یک پر تو شوق

فیض معنی سے خطِ ساغرِ رستم ہر شار

### قصیدہ

دہر جز جلوہ یکتائی مستحق نہیں      ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہو تا خود میں  
 بے دلی ہائے تماشاکر نہ عبرت نہ ذوق      یکی ہائے تمنا کہ نہ دُنیا ہے نہ دیں  
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم      لغو ہے آئینہ ذوقِ حبسِ نون و تکمیں  
 نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت      سخن حق بمبِ پایۂ ذوقِ تحسین  
 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم      دُرِ دیک ساغرِ غفلت ہے چو دنیاؤں چیں

مثل مضمون وفا باد بہت تسلیم <sup>۱۱۹</sup> صورت نقش قدم خاک بہتیں کہیں  
 عشق بے رطل شیرازہ اجڑائے حواس وصل رنگارنگ آئینہ سخن بہتیں  
 کوہ کن گڑسہ مزدور طرب گاہ رقیب بے ستوں آئینہ خواب گران شیریں  
 کس نے دیکھا بغض اہل وفا آتش خیز کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزیں  
 ساج زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن نہ سرور بگ ستالیش نہ دماغ نفوس  
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کی عیادت کس یث قلم خارج آداب و تار و نمکین  
 نقش لاول لکھ اسے غامہ ہدیاں تحریر یا علی نعمن کر اسے فطرت و سواس قریں  
 مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل قبلہ آل نبی کعبہ ایجاب و ہیبتیں  
 ہووہ سرمایہ ایجاب و جہاں گرم خرام ہر کف خاک ہے واں گردہ تصویریں  
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا وہ کف خاک ہے ناموس و دو عالم کی امیں  
 نسبت نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کرسٹ ابد اہشت فلک خم شدہ ناز زینیں  
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوئے سدا بوئے گل سے تفس با و صبا عطر آگینیں  
 برش تیغ کا اسکی ہے جہاں میں چرچا قطع ہو جائے نہ سررشتہ ایجا دگینیں  
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے رنگ عاشق کی طرح رونق تجا نہ چسپیں  
 جاں پایا دل و جان فیض رسانا شام و صبحی ختم رسل تو ہے بہ فتو اے یقین!

جسم اطہر کو ترے دوشیں پیسے منبر  
 نام نہائی کو ترے ناصیہ عرش نگیں  
 کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب  
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں  
 آستان پر ہے تھے جو ہم آئینہ نگ  
 مستم بندگی حضرت جب لیل میں  
 تیرے در کے لئے اسباب تیار آمادہ  
 خاک یوں کو جو خدا نے نیلے جان دل دیں  
 خاک یوں کو کہیں لوح و قلم دست چیں  
 تیری مدحت کیلئے بہن لہجہ جان کم و زباں  
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست چیں  
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی مدوح خدا  
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بییں  
 جنس بازارِ معاصی اسد اللہ اسد  
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدا نہیں  
 شوقی عرض مطالب میں ہے گناخ طلب  
 ہے ترے عرصہ فضل پہ از بس کی تقیں  
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول  
 کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوا را آئیں  
 غم شیریں ہو سینہ یہاں تک لبریز  
 کہ میں خونِ جگر سے مری آنکھیں نگیں  
 طبع کو الفت و دل میں یہ سرگرمی شوق  
 کہ جہاں تک چلے اس قدم اور مجھے ہیں  
 دل الفت و نب و سید توحید و رضا  
 نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیر

صرف اندازِ اثر شدہ دود و دوزخ

وقف احباب گل و نیل فردوس بریں

## قصیدہ ۱۲۱

ہاں میرے نو سنیں ہم اُس کا نام جس کو تو بھگ کے کر رہا ہے سلام  
 دودن آیا ہے تو نظر دمِ ببح یی انداز اور یہی اندام  
 بارے دودن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے گردشِ ایام  
 اُن کے حبات کہاں کہ تاروں کا آسمان نے بچھا رکھا تھا دام  
 مر جب لے سروِ حنص خواص حبا لے نشا طعَام عوام  
 نذر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا بینام  
 اُس کو بھولا نہ چاہئے کہنا صبح جو حبات اور آئے شام  
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا اُمت از اور تیرا غبام  
 را ز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو بھجائے کیا کہیں ندام  
 جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں ایک ہی ہے اسید گاہِ انام  
 میں نے انا کہ تو ہے حلقہِ جوش غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام  
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کہا ہے بطرِ استقام  
 مہرتا ہاں کو ہو تو ہوا ہے ماہ! قرب ہر روزہ برسِ بیلِ دوام  
 تجھ کو کیا پایہِ روشناسی کا جُز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام

۱۲۲  
 جاننا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو      پھر بہن چاہتا ہے ماہِ تمام  
 ماہِ بن ماہِ تاب بن میں کون      مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
 میرا اپنا حبِ اعلیٰ ہے      اور کے لین دین سے کیا کام  
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ غافل      گر تجھے ہے امیدِ بہتِ عام  
 جو کہ بے غشے گا تجھ کو زبردِ مرغ      کیا نہ دیگا بھٹے بے گھم  
 جبکہ چودہ من ازلِ بندگی      کر چکی قطعِ تیرے تیزیِ گم  
 تیرے پر تو ہے ہونِ مرغِ پذیر      کوئے دہشکوئے صحن و منظرِ دام  
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز      اپنی صورت کا اک بوریں دام  
 پھر غزل کی روشِ چپل بھلا

تو سن طبع چاہتا تھا لگام

زہرِ عنسم کر چکا تھا میرا کام      تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بہ نام  
 ہے ہے پھر کیوں نہ میں پئے جاؤں      غم سے جب ہو گئی ہو زینتِ حرام  
 ہو گیا یہی غیبت ہے      کہ نہ بھیس وہ لذتِ مُشام  
 کہ میں جا بجا سینکے نا قوس      اب تو باندہ جا ہے دیر میں احرام  
 اس قدر کا ہے دردِ مجھ کو نفع نہ      پر نہ نہ لی ہے جس سے گردشِ دام



۱۲۲  
بوسہ دینے میں اُن کو سبے ابھار ۱۲۲  
دل کے لینے میں جن کو کھٹا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے

کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا ہیں تو سب کچھ اب تو کہہ	اسے پری چہرہ پیک تیر حرام
کون ہے جن کے در پہ ناصیہ ما	ہیں مہر زہرہ و ہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن	نام شاہنشہ بلند مقام
قلبہ چیشم دول بہادر شاہ	منظر ذوالحلال والا کرام
شہسوار طریتہ انسان	نوبہا حدیثہ اسلام
جس کا ہر فعل صورت اعجاز	جس کا ہر قول حسنی السلام
بزم میں میزبانِ قیصر و بزم	رزم میں استادِ رستم و سام
اے ترالطف زندگی انزوا	اے تراعد فرخی فرجام
چشم بد و دُخروانہ شکوہ	لوحش اندے ارفانہ کلام
جان نثاروں میں تیرے قیصرِ روم	جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام
وارث ملک جانتے ہیں سب کچھ	ایرج و تور و خسرو و ہرام
زورِ بازو میں مانتے ہیں سب کچھ	گیو و گودرز و بیزن درہام

۱۲۴  
 مرحباً شو شگافی نادک آفریں آبداری صمصام  
 تیر کو تیرے تیر غیر ہدف تیغ کو تیری تیغ خصم نیام  
 وعدہ کا کر ہی ہے کیا دم بند برق کو دے رہا سبک الزام  
 تیر سے نیل گراں جہد کی صدا تیرے خوش سبک غناں کا خرام  
 فن صورت گرمی میں تیرا گزر گز رہا کھتا ہوا دست گاہ تمام  
 اس کے مضروب کے سرو تن ہے کیوں فسایاں ہو صورت بد انعام  
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے صفحہ اسے سیالی و ایام  
 اور اُن اور اُن میں بھلا کب تھا بھلا منہ سج ہوئے احکام  
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام  
 آسمان کو کھا گیا کہیں گنبد تیرے گرد نیلیں تمام  
 حکم مطلق لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دانہ اور زلف کو دام  
 آتش و آب و باد و خاک نے وضع سوز و غم و دم و آرام  
 مہر رخشاں کا نام خسرو درود ماؤ تاباں کا اسم شمشاد شام  
 تیری تو تیغ سلطنت کو بھی دی بدستور صورت ارقام  
 کاتب حکم نے بموجب حکم اُس قسم کو دیا طرہ از بدام

سے ازل سے روانی آفت ز<sup>۱۲۵</sup> ہوا بد تک رسائی انجیام

### قصیدہ

صبح دم دروازہ صبا در کھلا مہر عیالستاب کا منظر کھلا  
 خسرو انجم کے آیا صفت میں شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا  
 وہ بھی تھی اک سیب کی سی نمود صبح کو راز مہر داختر کھلا  
 ہیں کو اکسب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی کھلا  
 سبط گردوں پر پڑا تحاریرات کو موتیوں کا ہر طرست زیور کھلا  
 صبح آیا جانب شہر ق نظر ہاک بھگا آتشیں میں سر کھلا  
 تھی نظر بندی کیا چب رہہ سحر بادہ گل رنگ کا ساغر کھلا  
 لاکے ساتی نے صبح کی کیلئے رکھ دیا ہے ایک جام زکھلا  
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ کعبہ امن و امان کا در کھلا  
 تاج زریں مہر تاباں سے ہوا خسرو آفاق کے شہد کھلا  
 شاہ روشن دل بہادر شہ کر ہے راز ہستی اس پر ستراسر کھلا  
 وہ کہ جس کی صورت مخمور میں مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا  
 وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے عقدہ احکام پینیب کھلا

پہلے دارا کا محل آیا ہے نام <sup>۱۲</sup> اس کے سرنگوں کا جب تر کھلا  
 روشناسوں کی جہاں نصرت ہے واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا  
 تو بن شد میں ہے وہ خوبی کہ جب تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا  
 نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب تو کئے بت حنائی آذ کھلا  
 مجھپ فیض تربیت سے شاہ کی منسوب مہر و مہر کھلا  
 لاکھ عقدے دل میں تجھے لیکن ہر ایک میری حد و وسع سے باہر کھلا  
 تھادل وابستہ تفضل بے کلید کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا  
 باغ معنی کی دکھاؤں گا ہر مجھ سے گشتاؤں گشت کھلا

ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس

لوگ جانیں طبع عنبر کھلا

کج میں مینار ہوں یوں پر کھلا کاشکے ہوا نفس کا دیکھلا  
 ہم چکاریں اور کھلے یوں کون جائے یا رکاوڑ وازہ پاویں گر کھلا  
 ہم کو ہے اس راز داری پگھلندہ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا  
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ زخم سیکن داغ سے بہتر کھلا  
 ہاتھ سے رکھدی کب برو کی کہاں کب کمرے غمرہ کے خیمہ کھلا

۱۳۶  
 مفت کاکس کو بڑا ہے بد رتہ      رہ روی میں پردہ رہ بکھٹلا  
 سوز دل کا کیا کرے باران اشک      آگ بھڑکی منہ اگر دم بھکھٹلا  
 نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ      رو گیا خط میری چھاتی پر کھٹلا  
 دیکھو غالب سے ابھار کوئی!

ہے دلی پوشیدہ اور کافور کھٹلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال      پھر نہ وخورشید کا دفتر کھٹلا  
 غامہ نے پائی طبیعت سے مدد      بادباں کے اٹختے ہی لنگر کھٹلا  
 مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ      عرض سے یاں ترسہ جو ہر کھٹلا  
 مہر کا نپا چرخ چپک کھٹلا گیا      بادشاہ کا رایت لنگر کھٹلا  
 بادشاہ کا نام لیت ہے خطیب      اب غلو پایہ منبر کھٹلا  
 مکہ شہ کا ہوا ہے روشناس      اب میاں آبروئے زکھٹلا  
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ      اب مال سہی اسکت رکھٹلا  
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے      اب فریب طفل و سبخر کھٹلا  
 ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے      دفتر مدح جہاں داد کھٹلا  
 فکر اچھی پرستاش ناتمام      عجز اعب ز ستاش لکھٹلا

جاننا ہوں ہے خط لوج ازل<sup>۱۷۸</sup> تم پہ اے خاقان نام آؤ کھلا

تم کرو صاحبِ رانی جب تک

ہے ظلم روزِ شب کا دکھلا

اے شہنشاہِ عالم! شہنشاہِ ریش و نظیر  
اے ہماندارِ کرم شدہ و بے شبہ ندیر  
پاؤں سے تیرے ملے فرقِ اداوت اور نگ  
فرق سے تیرے کرے کسبِ اوت اکسیر  
تیرا اندازِ سخن شائستہ و لطفِ اسام  
تیری رفتارِ سلمِ جنبشِ بالِ حبیریل  
تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہ و تیرے کلیم  
تجھ سے دنیا میں بچا امدادِ بنائیس  
یہ سخن اور جو مرتبہ معنی و لفظ  
مگر دم داغ نہ ناصیہ تلزمِ نویل  
آترے وقت میں ہوش و طرب کی تو نیر  
آترے عہد میں ہونچ و الم کی تسلیل  
ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر  
زہر ہونے ترک کیا عت سے کرنا تحویر  
تیری دانش مری اصلانِ مفاسد کی رہن  
تیری بخشش مری انجانِ مفاسد کی کفیل  
تیرا اقبالِ ترجمہ سے جینے کی نوید!  
تیرا اندازِ قافل سے مرنے کی دلیل  
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ بکھلا اس  
چرخِ کج گزشتہ کا کرکٹ بھگدولیل  
پچھے غم کی ہے نینِ آخرِ تیر میر کیس  
پچھے ڈالی ہے سرِ شہ آوقات میں گانٹھ  
تمہیں دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم  
کشمکشِ دم نہیں ہے رابطہ جبرِ قلیل

۱۲۹  
 درمستی سے مرا صفحہ نقاک و اڑھی غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زمبیل  
 فکر میری گہرا ندوڑا اشارات کثیر ملک میری رستم آموز عبارات قلیل  
 میرے اہام پہ ہوتی ہے قصد تن توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراؤ تفصیل  
 ایک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف مجھ ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبل کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر

کعبہ اسن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ذیل

ہے جو صاحب کے کفن دست پہ چینی نلی زیب دیتا ہے جس قدر اچھا کہتے  
 غامدہ انگشت بندیاں کہ اسے کیا لکھتے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہتے  
 ہیرہ مکتوب عزیزان گرامی لکھتے حرب بازوئے شکر منان خود آرا کہتے  
 کسی آلودہ سرا انگشت حیدناں لکھے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہتے  
 غاتم دست سیماں کے مشابہ لکھتے سر پرستان پر ہی زادے انا کہتے  
 اختر سو خستہ قیس سے نسبت دیجے غالب شکیلین رنج و دکش لیا کہتے  
 جگر الاسود و دیوار سرم کیجے منجن اند آہوئے بیابان فتن کا کہتے  
 دمن میں اٹکو اگر کھجے قاب تریاق رنگ میں سبزہ فوخیز میما کہتے  
 موی میں اسے ٹھہرایے گر ہر مناز میکہے میں اسے خستہ خم صہبا کہتے

کیوں اُسے قفل در گنجِ محبت لکھے <sup>۱۳۰</sup> کیوں اُسے نقطہ پر کار بستنا کہتے  
 کیوں اُسے گوبرِ نایاب تصور کیجے کیوں اُسے مردِ مہک دیدہ غما کہتے  
 کیوں اُسے تھکے پیرا بن لکھتے کیوں اسے نقشِ پئے اقامہ سلا کہتے  
 بندہ پرور کے کعبہ دست کو دل کیے مژ

اور اس جہنی سپاری کو سویدہ کہتے

خوش ہوئے بخت کہ ہے آج سے سرسہرا باندھ شہزادے جوانِ محبت کے سر پر سہرا  
 کیا ہی اس پاندے نے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے ہے تھے جن دل افروز کا زیور سہرا  
 سر پہ چڑھنا تجھے چہ بتا ہے پرے طرفِ کلاہ جھکو ڈر ہے کہ چھینے تر نہ سب سہرا  
 نادر بھر کر ہی پروئے گئے ہونے موتی ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا  
 سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  
 نینچ پہ دولہا کے چوڑی سے پسینہ ٹپکا ہے گب ابر گنہ بار سراسر سہرا  
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ تباہے بڑھاتے رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
 جی میں ترائیں نہ موتی کہ ہیں میں اک چیز چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکتہ سہرا  
 جبکہ اپنے میں ہاویں نہ خوشی کے اسے گوئدے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا  
 مرنے روشن کی دمک گوبرِ غلطاں کی چمک کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا



تاریخیم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار<sup>۱۳</sup> لایگا تاب گراں باری گو ہر سہارا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سرے سے کہہ کوئی بھڑکھرا

منظور ہے گزارش احوال دوستی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پُشت سے ہے پیشہ آبا سپہکری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

آزاد رہوں اور اس ملک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ نظر کا غلام ہوں؟ مانا کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے

اُستادش سے ہو مجھے پر خاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ہم سیر ہو گندہ اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور بخت نہ ہاں اس سے نہ ما جز انما ظہر خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زہر امتثال امر! دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گستر نبات مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رد سیا سودا نہیں جنوں نہیں دشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۷ اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت  
 جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ آ ہو تو اگرے اُس عقدہ کو سو بھی بہ اشارت  
 ممکن ہے کہے خضر سکندر سے ترا ذکر گلاب کو نہ دے چشمہ جواں سے طہارت  
 آصف کو یلیاں کی وزارت سے شرف تھا ہے فخر یلیاں جو کہے تیری وزارت  
 ہے نقش مریدی ترا منہ راں الہی ہے داغ عنلامی ترا قلع امارت  
 تو آب سے گلاب کرے طاقت سیلاں تو آگ سے گردن کرے تاب بشارت  
 ذخوئہ نہ ملے موجہ دیو یاں روانی باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت  
 ہے گرجہ مجھے محنت سرائی میں تو عمل ہے گرجہ مجھے سحر طرازی میں مهارت  
 کیونکہ نہ کروں مدح میں ختم و عسابر فاصر ہے تائش میں تری میری عبارت  
 نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ نئے ہیں نظارگی صنعت حق اہل بشارت  
 تجھ کو شرف ہر جہاں تاب مبارک!

غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

اے شہنشاہ آساں اور نگ اے جہاندار آفتاب آفتاب!  
 تھاپیں اک بے نوائے گوشہ نشین تھاپیں اک درد مند سینہ فگار  
 تم نے مجھ کو جو آبر و بخشش ہوئی مسیری وہ گرمی بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز : رشتہ اس ثوابت دستیار  
 گرچہ از روئے نگ بے بُہری ہوں خود اپنی نظر میں آنا خواہ  
 کہ گراپنے کو میں کہوں حن کی جاتا ہوں کہ آئے خاک کو عسار  
 شاد ہوں لیکن اپنے ہی میں کہوں بادشہ کا غلام کار گزار  
 خانہ زاد اور مرید اور مذاح تھا ہمیشہ سے یہ رضیہ نگاہ  
 بے نوکر بھی ہو گیا صد شکر نسبتیں ہو گئیں مشخص چار  
 نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں مدعا سے مندروری الاطمار  
 پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں ذوق آرائش سرود ستار  
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر! تازہ دے باد ز سریر آزار  
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار  
 کچھ خریدانیس ہے ایک سال کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل دنار  
 آگ تاپے کہاں تک انسان دھوپ کھاوے کہاں تک جاندار  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وقتا بہت عذاب الستار  
 میری تنخواہ جو مستتر ہے اُس کے طے کا ہے عجب ہنزار

۱۳۴  
 رسم ہے مڑوہ کی چھ ماہی ایک غلق کا ہے اسی چپلن پہ سدا  
 جھکودیکھو تو ہوں بقید حیات اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار  
 بسک لیتا ہوں ہر مینے تہ جن اور رہتی ہے سود کی تکرار  
 میری تنخواہ میں چارم کا ہو گیا ہے شریک سا ہو کار  
 آج مجھ سانیں زمانے میں شاعر بن کر گئے خوش گھنار  
 رزم کی داستان گر سنئے ہے زباں میری تیغ جو ہر وار  
 بزم کا التزام گر کیجئے ہے قلم میرا بر گھر باز  
 ظلم ہے گرنے دو سخن کی داد قہر ہے گر کرو نہ جھکوپیار  
 آپ کا بندہ اور پھر دن جنگا آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار  
 میری تنخواہ کیجئے ساہ بہ ماہ آنہ ہو مجھ کو زندگی دشوار  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ضرورت الٹا کہ بہاؤ مجھے بتلا کہ مجھے تجھے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات ہے  
 گرچہ تو وہ ہے کہ جنگا نہ اگر گرم کرے رونی بزم نہ دھرتی ذات سے ہے

اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں<sup>۱۳۵</sup> غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے  
 خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سر ہوتا نسبت اک گونہ مرے دل کو تری بات سے ہے  
 اتھ تیں تیرے سے تو بن دولت کی عنان یہ دعا شام و سحر تاضی عجا جات سے ہے  
 تو سکندر ہے مرا محض سر ہے ملت تیرا گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے  
 اُس پہ گزے نگماں ریو دریا کا زنما

غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے  
 ہے چار شنبہ آفر ماہ صفر چپکوا رکھیں چین میں بھر کے سے شکو کی مانند  
 جو آئے جام بھر کے پئے اور ہر کے کست سبزے کو روز تاپھرے پھو کو کوٹے پھاند  
 غالب یہ کیا بیاں ہے بچہ بد بادشاہ  
 بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت و خواند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند  
 گلکے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین! اک تیر میرے سینہ پہ مارا کہ ہائے ہائے  
 وہ سبزہ زار ہائے سطر اک ہے غضب وہ ناز میں ثبت ان خود آرا کہ ہائے ہائے  
 صبر آزمادہ ان کی نگاہیں کہ حفت نظر طاقت ربا وہ ان کا اشار کہ ہائے ہائے  
 وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

گئے وہ دن کہ نادانہ غیر دینی وفاداری <sup>۱۳۶</sup> کیا کرتے تھے تم قریم خاموش رہتے تھے

بس اب بچڑے پکانشہ زندگی جانے دو بھادو

قسم لو ہے گریہ بھی کیس کیوں ہم نہ کہتے تھے

نہ پوچھو اُس کی حقیقت حضور والانے مجھے جو بھیجی ہے یسین کی رونی روٹی

نہ کھاتے گیوں نہ کھتے نہ خلد سے باہر

جو کھاتے حضرت آدم یہ یسین روٹی

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستِ گاہ ہو اُس شمس کو ضرور ہے روزہ کھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو

روزہ اگر نہ کھائے تو بچا رہ کیا کرے

ٹھیکسیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہان میں کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میں سر کبھی کسی پہ مجھے

کہ جو شریک ہو میرا شر کا طالب ہے

سہل تھا سہل لے یہ سخت شکل آپری مجھ پر کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہے

تین دن سہل سے پنتین دن سہل کے بعد

تین سہل تین تہرہ دیں یہ سب دن ہوئے

۱۳۶  
فجستہ انجمن طوبیہ میرزا جعفرؒ کو جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ

ہوئی ہے ایسے ہی فرزندہ سال میں غالب

نہ کہیں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزم طرب میں تعینا ہرید

کمانا غالب سے تاریخ انکی کیا ہے تو بولا انشراح جشن جمشید

گو ایک بادشاہ کے سرفراز زاد ہیں دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کتے مجھے سلام اس سے ہے یہ مرا کرم آشنا نہیں

بسکہ منتال مایزید ہے آج ہر کشور انکسار کا

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا

چوک جس کو کہیں وہ قفل ہے گھر بت ہے نو نہ زنداں کا

شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک نشہ خو ہے ہر سماں کا

کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک آدمی واں سے جب سکے یاں کا

میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی روناقن و دل و جاں کا

گاہ جبل کر کیا کئے شکوہ سوزش داغ سائے پنہاں کا

گاہ رو کر کھسکے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

۱۳۰  
اس طرح کے وصال سے یارب  
کیا مٹے دل سے داغ ہجران کا

ہاں دل درد مند زمرہ ساز	کیوں نہ کھولے درخیز نہ راز
خامہ کا صنف پر رواں ہونا	شاخ گل کا ہے گلستاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے	بختہ ہائے حسرت و فراق لکھئے
بائے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	خامہ مخمل رطب نشاں ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے	ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں ہے اراماں	آئے یہ گوئے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک	پھوڑا ہے جلے پھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مستور	بادۂ تاب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے	شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے	آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار	جب خزاں آئے تب ہوئی بہار
اور دوڑا ئیے قیاس کساں	جان شیریں میں یہ منہاس کہاں
جان میں ہوتی گریہ شیرینی	کوہ کن باد جو دغملگینی



جان دینے میں اُس کو کھیتا جان  
 پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ مگر  
 کہ دو احسانہ ازل میں مگر  
 آتش گل پتند کا ہے تو ام  
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام  
 یا یہ ہو گا کہ نہ رطراحت سے  
 باغبانوں نے باغِ جنت سے  
 انگلیں کے حکم رب الناس  
 بھر کے بھیجے ہیں سر مہر گلاس  
 یا لگا کر خضرتے شاخ نبات  
 مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات  
 تب ہوا ہے تفرقشاںِ غنجل  
 ہم کہاں در نہ اور کہاں غنجل  
 تھا ترنجِ ذرا یک خسرو پاس  
 رنگ کا زرد پر کہاں بوباس  
 آتم کو دیکھتے اگر یکبار  
 پھینک دیتا طلعتِ دست افشار  
 رونقِ کار گاہِ برگ و نوا  
 نازش دو دمانِ آب و ہوا  
 رہر و راہِ حسد کا تو شش  
 طوبی و سد رہ کا جگر گوش  
 صاحبِ شاخ و برگ دیا ہے آم  
 ناز پر و ر وہ ہمار ہے آم  
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو  
 نوبرِ غنجلِ باغِ سلطان ہو  
 وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد  
 عدل سے اُسکے ہے حمایتِ عہد  
 فخر دینِ عز و شانِ حباہ و جلال  
 زینتِ طینت و جمالِ کمال

۱۴۰  
 کار فرمائے دین و دولت و بہت چہرہ آرائے تاج و سند و تخت  
 سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے  
 اے مہفیض وجود سایہ و نور جب تک ہے نور سایہ و نور  
 اس خداوند بہندہ پرور کو وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد و دلدادہ دوست و دشمن دو ماں کیجو

اور غالب پہ سداں کیجو

### قصیدہ

گنی ہیں سال کے رشتے میں مین با رگرہ ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ  
 گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار ہو کرے گی ہر اک سال پیش کا گرہ  
 یقین جان برس کا ٹھکڑا جو ہے آگیا یہ کمکشاں ہے کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ  
 گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ  
 دکھا کے رشتہ کسی خوشی سے پوچھا تھا کہ دیکھ کتنی اٹھالائے گا یہ تار گرہ  
 کہا کہ چرخ پہ پہننے گنی ہیں نو گرہیں جو باں گنیں گے تو پاویں گے نو ہزار گرہ  
 خود آسمان ہے ہمارا اور راجہ پر صدفے کر گیا سینکڑوں اس تار پر نشا رگرہ  
 وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے رواں ہوتا رہے فی الفور دانہ دار گرہ

انہی کی سالگرہ کے لئے ہے سال ببال<sup>۱۴</sup> کہ لائے غیبے پنوں کی نو ہزار گرہ  
 انہی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے ہوا میں بوند کو ابتر بگڑا گرہ  
 انہی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے کہ ہو گئے ہیں گہرے شام ہوا گرہ  
 انہی کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر کہ بن گئے ہیں شام ہوا گرہ  
 میں اسے ندیم برس کا نچ کے تیل گئے تھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ  
 پیئے دعا سے بقا سے جناب فیض تاب لگے گی اس میں ثوابت کی استوار گرہ  
 ہزار واد کی تسبیح چاہتا ہے ہی بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ  
 عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذب اس کو کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہا گرہ  
 کشادہ رخ نہ پھرے کیوں جب نہیں بچے نہ از سبب بندہ نعت اب یا گرہ  
 متاع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گرہ  
 خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہ سخن کر ڈرو ڈھونڈھ کے لاتا یہ جن کا گرہ  
 کہاں مجال سخن سانس لے نہیں سکتا پڑی ہے دل میں مئے غم کی پیچ دار گرہ  
 گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات زباں تک آ کے ہوئی اور استوار گرہ  
 کھلے یہ گانٹھ تو البتہ دم کل جانے بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا بار گرہ  
 ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہا گرہ

وہاں یہ کہ مخالف کے دل میں زرنوہن <sup>۱۴۲</sup> پڑی ہے یہ جو بہت سخت نابکار گرہ

دل اُس کا پھوڑ کے نکلے شکل بھونے کے

قدار کے کہ کرے اس طح اُبھار گرہ

### قصیدہ

مرحبا سال سترخی آئیں عید شوال ماہ سردردیں

شب و روز افتخار لیل و نهار سد و سال اشرف شہرونیں

گرچہ ہے بعد عید کے نوروز ایک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں

سو اس کی سرن میں ہوئی کی مجلسی با حجب ہوئیں رنگیں

شہر میں کو بجو عسیر و گلال باغ میں سو بنو گل و نسیر

شہر گویا نمونہ گلزار باغ گویا نگار حنائیں چیں

تین تہوار اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے لگیں

پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں منعقد محفل نشاطیں

محفل غزلِ صحبتِ نواب رونق افزائے مسند و تکیں

بزمگاہ میں امیر شاہ نشاں بزمگاہ میں حریف شیر لکیں

پیشکار حضور شوکت و حباب خیر خواہ و جناب دولت دین

جن کی مسند کا آسمان گوشہ ۱۴۳  
 جن کے خاتم کا آفتاب نگیں  
 جن کی دیوار قصر کے نیچے  
 آسمان ہے گدا سے سایہ نشیں  
 وہ ہیں اس طرح کی بزم سرور  
 نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں  
 انہیں چرن گوہر آگین فرشتے  
 نور سے وہ ساعنبر سیسے  
 راجہ اندر کا جو اکھاڑہ ہے  
 ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں  
 وہ نظر کا وہ اہل دہم و خیال  
 یہ ضیاء بخش چشم اہل عیتیں  
 وہاں کہاں یہ عطا و بذل و کرم  
 کہ جہاں دا دگر کا نام نہیں  
 یاں زمیں پر نظر جہاں تک جاتے  
 ژالہ آسا بچھے ہیں دُور نشیں  
 نمنہ نظر بان زہرہ نوا  
 حبلوہ بولبان ماہ جبین  
 اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے ظنون  
 یاں وہ دیکھا بچشم صورت میں  
 سرور بہر فرہوا جو سوار  
 بکمال تجمل و تزئین  
 سب نے جانا کہ ہے پری توں  
 اور بال پری ہے دامن زمیں  
 نقشب مستم مسند سے یکسر  
 بن گیا دشت دامن گلچیں  
 فوج کی گرد راہ مشک نشان  
 رہروں کے مشام عطر آگین  
 بلکہ بخشی ہے فوج کو عزت  
 فوج کا ہر پیادہ ہے دریں

مرکبِ خاص یوں نہیں پڑتا<sup>۴۴</sup> جس طرح ہے سپہر پر پروں  
 چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام<sup>۴۵</sup> ران پر داغِ تازہ دے کے وہیں  
 اور داغِ آپ کی عنلائی کا خاص بہرام کا ہے زیبِ سیریں  
 بندہ پرورشِ طرازی سے مدعا عرضِ فنِ شہ نہیں  
 آپ کی مدح اور سیرائے گر کہوں بھی تو کس کو آئیے یقین  
 اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سے ہو گیا ہوں نزار و زار و حزن  
 پیری نیستیِ خدا کی پناہ دستِ خالی چنا طرنگیں  
 صرتِ اظہار ہے ارادت کا ہے سلم کے جو سجدہ زحیریں  
 مدح گستر نہیں دعا گو ہے غالبِ عاجزِ نیا ز گزیریں

ہے دعا بھی ہی کہ دنیا میں

تم رہو زندہ جادواں آئیں

### قصیدہ

کرتا ہے چرخِ روزِ بصد گونا احترام فرما نروائے کشورِ پنجاب کو سلام  
 حق کو بے وقوفِ پختِ حق، پیشِ حق شناس نوابِ مستطاب امیرِ شہِ احشام  
 جمِ رتبہ منگو دہسا در کہ وقتِ رزم ترکِ فلک کے ہاتھ سے دو چہرینِ ہنسِ حاشام

بس بزم میں کہ ہوا نہیں آہنگ میکشی  
 چاہا تھا میں نے تم کو میرا روہ کہوں  
 دورات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا  
 سچ ہے تم آفتاب ہو جسکے فروغ سے  
 میری سنو! کہ آج تم اس سرزمین پر  
 اخبار لکھنا نہ میں میری نظر پڑی  
 ٹکڑے ہوئے دیکھ کے تحریر کو جگر  
 وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا  
 سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم  
 ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گدا  
 تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں  
 اس بزم پر فروغ میں اس تیرہ و بخت کو  
 سمجھا اُسے گر آب ہو اپاش پاش دل  
 عزت پہ اہل نام کی ہستی کی تھی بنا  
 تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر  
 واں آسمان ٹیٹھ بنے آفتاب جام  
 دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال غام  
 حضرت کا عز و جاہ رہیگا علی الدوام  
 دریا سے نور ہے فلک اب گیس نہ غام  
 حق کے تفضلات سے ہو مرج نام  
 تحریر ایک جس سے ہو ابد تلخ کام  
 کاتب کی آستین ہے مگر تیغ کا نیام  
 جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام  
 نمبر زمانہ نذر نہ خلعت کا انتظام  
 جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام  
 استاد ہو گئے لب دریا پر جو نیام  
 نمبر ملا شیب میں از روئے اہتمام  
 دربار میں جو مجھ پہ چلی چٹمک عوام  
 عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام  
 اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا اثر دام  
 اس شکش میں آپ کا مذاق درد مند آقاؑ نے امور سے نہ کچھ کر سکا کلام  
 جو دہاں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو دس آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام  
 نلک دسپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں سلطان برد بحر کے در کا ہوں میں غلام  
 و کٹوریہ کا دہریں جو مدح خوان ہو ثناء ہن عرصہ چاہئے یس عزت اُس دم  
 خود ہے تدارک اُس کا گو رشت کو ضرر بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب حب کا نام  
 امر صبیحہ کا نہیں ہے سوال اسے قدیم قاعدہ کا چاہئے قیام  
 ہے بندہ کو عادۂ عزت کی آرزو چاہیں اگر حضور تو شکل نہیں یہ کام  
 دستورِ فرین شعر نہیں ہے قدیم سے یعنی دعا کا مدح پہ کرتے ہیں اختتام  
 ہے یہ دعا کہ زیرِ بگیں آپ کے رہے

اقیم بندہ و سندھ سے تاملک روم و شام

## مباحثات

شکل ہے زبں کلام میرا اسے دل نُن بن کے اُسے حسن و ان کا ل  
 آساں کنے کی کرتے ہیں فرماش گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل



دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؒ دل رک کہ پسند ہو گیا ہے غالبؒ  
واللہ کہ شب کو نیندا آتی ہی نہیں! سونا سو گند ہو گیا ہے غالبؒ

صحیحی ہے جو بھکناو شاہ جہاں نے دال ہے لطف و عنایات شہنشاہ پر دال  
یہ شاہ پسند دال بے ہمت و دال ہے دولت دین دانش و ادب کی دال

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ ہوا اُتے ہی برس شمار ہوں بلکہ ہوا  
ہر سیکڑہ کو ایک برس فرض کر میں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ ہوا

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اباب کہاں سے لاؤں  
روزہ مرا ایمان ہے غالبؒ لیکن خس خانہ و برف آکھیاں سے لاؤں

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جوار مغاں شبہ والائے  
گن کر دیویں گے ہم دعائیں توبارِ فیروزہ کی تسبیح کے ہیں تودائے  
حزن جری مجاہد ستم امر دہوی

ریسبل آرٹ پریس فرخ خانہ دہلی



GHALIB COLLECTION

ALL No. { ۸۹۱۵ ۳۱ } ACC. NO. ۵۱۳۸۷  
AUTHOR غالب، میرزا اسد اللہ خان  
TITLE دیوان غالب، میرزا اسد اللہ خان

SECTION

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME  
OF ISSUE



MAULANA AZAD LIBRARY  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES :-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-book and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

